مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ نقوش اسلام

VOL.No.2 | فروری ۲۰۰۸ء (February,2008) محرم، صفر ۱۴۲۸ھ | Issue.No. 12

زیر سرپرستی

- مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
- ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
- عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

- مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
- مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
- مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
- مولانا محمد صالح جی
- مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
- مولانا حافظ محمد ایوب کاڑوا
- الحاج موسیٰ بھائی درسوت
- مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارات

- مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی
- مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری
- مولانا حمیداللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی: حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ..........................۱۰؍روپئے

سالانہ..........................۱۰۰؍روپئے

خصوصی...... ....۳۰۰۰؍روپئے

ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۲۰؍ڈالر

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E-ISLAM

MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.**247129**

(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058

ماہنامہ ''نقوش اسلام''، مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR PUBLISHED AT

VILL& P.O.MUZAFFARABAD DISTT.SAHARANPUR (U.P) EDITOR:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

npage24\A017 not found. Border\BISMIL01\001. not found. npage24\A017 not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
نقوش اسلام کے دو سال مکمل	محمد مسعود عزیزی ندوی	
فکروعمل		۵
یورپ کا توسیع پسندانہ اور......	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	
سیرت		۱۰
مولانا روم کی عصری معنویت......	پروفیسر بدرالدین الحافظ (دہلی)	
مکتوبات اکابر		۱۳
مکتوبات مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	محمد مسعود عزیزی ندوی	
انکشاف		۱۸
اکیسویں صدی میں ہونے والی......	محمد زکریا ورک (کنگسٹن کینیڈا)	
تجزیہ		۲۶
مسلمانوں کے درمیان بڑھتے......	مولانا اسرارالحق قاسمی نئی دہلی	
ترغیب وترہیب		۲۹
دنیا کی زندگی ایک دھوکہ ہے	حمیداللہ قاسمی کبیر نگری	
طریقۂ تربیت		۳۱
اساتذہ بچوں کو مارسے نہیں پیار......	الحاج حافظ منشی عبدالغفور صاحب	
حقائق		۳۲
اردو کی یہ چھوٹی سی بستی مگر کام بڑے	فیروز بخت احمد دہلی	
تحقیق وتلخیص		۳۳
مسلم ممالک میں اسلامیت اور......	مولانا مفتی رحمت اللہ نیپالی	
جائزہ		۴۰
قومی جذبہ اور مسلمان	مولانا محمد شمشیر عالم سہارنپور	
اصلاحیات		۴۲
صلاح قلب فلاح دارین کا باعث	مولانا محمد نسیم ندوی پورنوی	
غوروفکر		۴۴
موت کا منظر اور برزخ کا نقشہ	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)............	۳۰۰۰
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی	....	۶۰۰
۱/۴ صفحہ //	....	۴۰۰

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۰۰/روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

E.mail:masood_azizinadwi@yahoo.co.in -------- nuqooshe_islam@yahoo.co.in

پرنٹر پبلیشر محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائینیگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

اداریہ

نقوش اسلام کے دو سال مکمل

محمد مسعود عزیزی ندوی

اللہ تعالی کا بڑا احسان وفضل ہے کہ ماہنامہ نقوش اسلام اس شمارے کے ساتھ اپنا دوسرا سال مکمل کر رہا ہے، ہم اس پر رب کائنات کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجالاتے ہیں کہ محض اسی کے لطف وکرم سے رسالہ اپنی عمر کی دوسری منزل کی تکمیل کر رہا ہے، ان دو سالوں کے اندر اس کو اچھی خاصی مقبولیت حاصل ہوئی، قارئین کا حلقہ وسیع ہوا، محسنین ومخلصین نے اس کو پسند کیا، اس کے مضامین کی پذیرائی کی اور اس کو دور دور تک پہنچانے کی کوشش کی، باخبر حضرات جانتے ہیں کہ اس زمانے میں (اگر چہ رسائل کی کثرت ہے) کسی رسالہ کا پابندی کے ساتھ نکالنا ایک اہم کام ہے، اس کی ایک اہم وجہ قارئین کی طرف سے خریداری کے سلسلہ میں غفلت ہے، ایسا نہیں کہ ان کے پاس پیسے نہیں ہیں؛ بلکہ اردو پڑھنے والوں کا عام مزاج مفت اور مانگ کر پڑھنے کا ہے، اسی لیے اگر کہیں کوئی اخبار یا رسالہ آتا ہے تو کئی لوگ اس کے گرد وپیش کا سرسری نظر مطالعہ کر کے یا کنگھال کر چھوڑ دیتے ہیں، ایسے حالات میں کوئی رسالہ لوگوں کے سامنے پیش کرنا جوئے شیر لانے کے مرادف ہے، اور یہ معاملہ تقریباً تمام ہی دینی رسائل کے ساتھ ہے؛ لیکن نقوش اسلام کے ساتھ خدا تعالی کا یہ فضل خاص رہا ہے کہ ایسی حالت کے باوجود پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، ہم اس پر خالق کون ومکاں کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں۔

نقوش اسلام کے اس تسلسل میں جن لوگوں نے ہماری قلمی مدد کی، یا جنھوں نے مادی تعاون کیا، یا جنھوں نے روحانی معاونت کی، یا جس نے جس طرح کی بھی ہمدردی ومحبت کا معاملہ کیا، ان سب کا ہم تہہ دل سے شکر گزار ہیں اور رب ذوالجلال سے ان کی دونوں جہاں کی سرخروئی وکامیابی کے لیے دست بدعا ہیں، اللہ تعالی عافیت وبھلائی کا معاملہ فرمائے، مزید اپنے معاونین مخلصین حضرات سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارا مستقبل میں بھی ہر لحاظ سے تعاون فرما کر ہاتھ بٹائیں اور دین کی اشاعت کے اس منصوبے کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور پائیدار بنانے میں ہمت سے کام لیں، بس اللہ تعالی ہی ہر چیز پر قادر ہے اور وہی دوام بخشنے والا ہے۔

شذرات

بعض مرتبہ انسان دوسرے کے جذبات، دوسرے کی فکر، دوسرے کی بات کو کیسے گردانتا ہے اور کیسے رائے قائم کر کے کتنا جلدی فیصلہ سنا دیتا ہے، اس کا اندازہ اس طرح کے بلاتبصرہ چند مندرجہ ذیل واقعات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

ماہنامہ نقوش اسلام کے رجسٹریشن کی کارروائی ہو رہی تھی، مگر ہمارے ملک میں کیا اب تو ساری ہی دنیا میں پیسے کا کھیل ہے،

پیسہ پھینکو تماشہ دیکھو، اس وقت کی دفتری دنیا میں اگر آپ قانون اور اصول وضابطے کے مطابق چلتے رہیں گے تو پیچھے ہوتے جائیں گے، آپ کی فائل ہی نہیں ملے گی اور دنیا کہیں کی کہیں پہنچ جائے گی، راقم اس سلسلہ میں کوشاں تھا کہ کوئی صحیح آدمی مل جائے جس کے توسط سے یہ کام جلد از جلد اور آسانی سے ہوجائے، بعض صحافی دوستوں سے رابطہ بھی کیا، دہلی میں ایک مؤقر اور معلوماتی ماہنامے کے مالک اور ایڈیٹر سے فون پر گفتگو ہوئی اور ان سے نقوش اسلام کے سلسلہ میں بات کی گئی، انہوں نے بات سننے کے بعد ایک خاص انداز ولب لہجہ میں بڑے ہمدردانہ یا مرعوبانہ انداز میں یا احساس کمتری کا شکار ہونے کی وجہ سے تقریر دلپذیر شروع کی کہ آپ لوگ ''اسلام'' جیسے نام رکھتے ہیں!

راقم نے جب رجب ۱۴۲۱ھ مطابق اکتوبر ۲۰۰۰ء میں ایک دینی، دعوتی اور تعلیمی ادارہ مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے قیام کا ارادہ کیا تو اکابرین کو فون کئے، سبھوں نے دعائیں دیں اور خوشی کا اظہار کیا، اسی طرح ایک بڑے ادارہ کے بڑے وسیع الظرف سمجھے جانے والے مولانا کو فون پر ادارہ کے قیام کی خوشخبری دی اور دعاؤں کی درخواست کی، جس پر انہوں نے برجستہ ارشاد فرمایا کہ ''یہ تو آج کل لوگوں نے بزنس بنا رکھا ہے'' وغیرہ وغیرہ۔

ایک ادارے کے ذمہ دار نے مسجد تعمیر کرائی، اس کے افتتاح کے لیے بڑے ادارے کے ایک اعلی ذمہ دار کو دعوت دی، بعض مصالح کی بنا پر مسجد کے فوٹو لیے گئے جس پر وہ صاحب بڑے برانگیختہ ہوئے اور لمبی لمبی لاحول پڑھی اور مصلحت کے باوجود اس عمل کو ناجائز گردانا اور اسلاف کے طریقے کے خلاف بتلایا، اور جوش میں یہ بھی فرمایا کہ آئندہ یہاں نہیں آؤں گا، اور اسی وجہ سے میں فلاں فلاں (بڑے، بڑے) اداروں میں بھی شرکت نہیں کرتا۔

ایک استاذ نے بعض حضرات سے ''صور من حیاۃ الصحابہ'' کی اس عبارت کے بارے میں پوچھا کہ "یـــالــحـسـنـهـمـا ویالتمامهما" میں لام کیسا ہے؟ اور پھر اس پر زبر آئے گا یا زیر، مگر کوئی ان کو بتا نہ سکا، جن سے امید تھی کہ وہ بالیقین بتلادیں گے، ان کو فون کیا، اتفاق سے وہ تو فون پر ملے نہیں، ان کے اقرب ترین عزیز مل گئے جو ایک بڑی یونیورسٹی کے فارغ اور ایک عربی رسالہ کے ایڈیٹر تھے، جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ نحوی اعتبار سے کیا واقع ہے، تو انہوں نے بتلانے کے بجائے ارشاد فرمایا کہ ''اس چکر میں نہ پڑو، ورنہ آپ کو عربی نہیں آئے گی''۔

عربی کی ایک جماعت کے ایک ہونہار طالب علم سے اس کے استاذ نے فرمایا کہ کوئی گھنٹہ خالی ہوگا اس میں سبق پڑھ لینا، اس نے بڑی سادگی میں کہہ دیا کہ حضرت گھنٹہ تو کوئی خالی نہیں، اس پر استاذ صاحب نے برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد ❁ بزندان لعنت گرفتار کرد

فکروعمل

یورپ کا توسیع پسندانہ اور سامراجی رویہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مسلمانوں کی عہد اول کی تاریخ بڑی شاندار رہی ہے، انھوں نے نہ صرف یہ کہ مشرقی ایشیا سے مغربی افریقہ اور یورپ کے مغربی علاقہ اسپین تک اپنی طاقت اور سربراہی کا لوہا منوایا؛ بلکہ علمی میدان میں اور تہذیب واخلاق کی خوبی میں شاندار کارنامے انجام دیئے اور علم وتمدن کا وہ معیار قائم کیا جو اس وقت اور اس کے بعد زمانہ کے لیے روشنی کا مینار بنا، یہ وہ وقت تھا جب یورپ کی قومیں علم وتمدن کے لحاظ سے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں تھیں، انہوں نے مسلمانوں کے علم وترقی کو دیکھا اور کئی صدی بعد اس سے فیض اٹھانا شروع کیا اور بتدریج ترقی کے راستے پر گامزن ہوئیں، مسلمان قومیں علم وثقافت وتمدن اور اعلی انسانی قدروں کے ساتھ صدیوں تک علمی ترقی اور سلطنت واقتدار کے میدان میں نمایاں رہیں اور اقوام عالم کے درمیان ان کو قائدانہ اور معلمانہ مقام حاصل رہا اور اسپین کا اسلامی ملک اندلس تو یورپ کے ملکوں کے بالکل قریب ہی تھا، لہٰذا وہ یورپ کے حلقوں کے لیے قابل تقلید نمونہ بنا اور یورپ کے ممالک جو عیسائیت کو اختیار کیئے ہوئے تھے اور علمی وتمدنی لحاظ سے بہت پسماندہ زندگی کے حالات سے گذر رہے تھے، بالآخر عالم اسلام کی علمی ترقیات وخصوصیات سے فائدہ اٹھانے کی طرف متوجہ ہوئے اور اندلس کی درسگاہوں سے باقاعدہ استفادہ علمی کیا اور اس کے نتیجہ میں ان کے آنے والی نسلوں میں بتدریج علم سے دلچسپی بڑھتی گئی اور نتیجتاً وہ علم وتمدن کی راہ پر امتیازی حیثیت سے گامزن ہوگئے اور اسی کے ساتھ مسلمان ملکوں میں چھ سات سو سال عروج میں رہنے کے بعد زوال کا سلسلہ شروع ہوا، چنانچہ ایک طرف یورپ علم وتمدن کی دلچسپی میں آگے بڑھتا گیا اور دوسری طرف مسلمان ممالک بے توجہی اور غفلت میں مبتلا ہوتے گئے، جس کے نتیجہ میں دونوں کے درمیان تقریباً دوصدی کی ترقی وتنزلی کے نتیجہ میں جو تقریباً پندرہویں صدی سے سولہویں صدی عیسوی تک پیش آئی، پورا عالم اسلام زوال وانحطاط اور مغربی دنیا ترقی اور کامیابی میں اہمیت کے مقام پر پہنچ گئی اور سترہویں سے انیسویں صدی کے درمیان تقریباً سارے مسلمان ممالک یورپ کی طاقتوں کے زیرنگوں آگئے، سیاسی اور عسکری طور پر زیرنگوں آجانا تو ایسی خاص بات نہ ہوتی کیونکہ طاقت کے ٹکراؤ میں نشیب وفراز آتے ہی ہیں؛ لیکن خسارہ اور فکر کی بات یہ ہوئی کہ طاقت کے اسباب کی طرف توجہ کرنے اور علمی ترقی اور تمدن کے وسائل کے اختیار کرنے کے معاملہ میں مشرقی قوموں اور مغربی قوموں کے درمیان بڑا فاصلہ پیدا ہوگیا، ساری مشرقی اقوام شکست خوردہ اور پسماندہ ہوگئیں اور یورپین قوموں کی غلام بن گئیں اور غلامی بھی ایسی کہ اس میں غالب قوموں کی طرف سے ان مغلوب قوموں کو انسانی رواداری اور ہمدردی اور حق پسندی سے بھی محروم کردیا گیا، یہ ظالمانہ سامراج اور استعماری رویہ تھا، اس میں سمندر پار سے آئی ہوئی طاقتیں ان مشرقی ملکوں کے اصلی باشندوں کے ساتھ زرخرید غلام جیسا سلوک کرتی رہیں اور ان کے ممالک کو اپنی ذاتی جائیداد کے طور پر استعمال کرتی رہیں، اس جبر وحق تلفی نے بالآخر مشرقی اقوام میں مظلومیت کا احساس پیدا کیا جو بیداری کی طرف لے گیا، اور آزادی کی تحریکیں چلیں جو بتدریج اثر انداز ہوئیں اور آہستہ آہستہ ایسی فضا بنتی گئی کہ

بیسویں صدی کی وسط تک مغربی سامراج کو مشرقی ملکوں کی حکومت سے دست کش ہونا پڑا اور یہ مشرقی قومیں براہ راست غلامی سے آزاد ہوگئیں؛ لیکن مغربی ممالک کے حکمرانوں کو چونکہ اپنے ملکوں کے اصحاب اقتدار کی سرپرستی کے ساتھ اپنے یہاں کے دانشوروں کا تعاون بھی حاصل تھا، لہٰذا حکومتی سطح پر مشرقی ملکوں کو آزادی ملنے پر بھی ثقافتی اور علمی سطح پر مغربی ممالک کا اثر ورسوخ مشرقی ملکوں میں برابر قائم رہا، چنانچہ اس کے ذریعہ مغربی ممالک مشرقی ممالک میں فکری اور علمی لحاظ سے اپنا اقتدار باقی رکھنے میں کامیاب رہے اور اس کے اثر سے مشرقی ممالک کو ذہنی اور سیاسی بلکہ اقتصادی لحاظ سے بھی اپنے زیر اثر رکھتے رہے۔

مغربی ممالک کا حکومتی اقتدار مشرقی ممالک سے جانے کے بعد مغربی ممالک کی طرف سے سیاسی حکمت عملی ایسی ہوشیاری کی رہی کہ مشرقی ممالک کے سادہ لوح لوگ اس کو بروقت سمجھنے سے قاصر رہے اور مغربی استعمار اپنی دور رس منصوبہ بندی سے اپنے مقاصد حاصل کرتا رہا اور یہ سلسلہ بدستور قائم ہے اور مشرقی ممالک میں مغربی حکمت عملیوں کی تابعداری جاری ہے۔

بلاد عربیہ کے متعدد ملکوں پر اور ہندوستان کے مختلف علاقوں پر برطانیہ نے جب اقتدار حاصل کیا تھا تو اس نے آپس میں لڑاؤ اور حکومت کرو کی حکمت عملی اختیار کی تھی اور اس کے لیے یہاں کے مختلف حکمرانوں کے مابین کشمکش بڑھانے اور ایک دوسرے کی کشمکش میں کسی ایک کی دوسرے کے خلاف مدد دینے کا طریقہ اختیار کیا، اس طریقہ سے اپنے کو بالادستی اور اقتدار تک پہنچایا، اثر ورسوخ کو بڑھایا، حالانکہ انگریز یہاں ایک تجارتی کمپنی کی حیثیت سے آئے تھے، لیکن انہوں نے حفاظتی عملہ کے نام سے اپنی فوجی طاقت بنائی، یہاں کے حکمرانوں میں ایک مذہب اور ایک قوم ہونے کے باوجود آپسی اختلافات کی صورت میں ایک دوسرے کے خلاف غیروں سے مدد لینے کی کمزوری پیدا ہو چکی تھی، اسی کمزوری نے ایک کو شکست دوسرے کو فتح تو دلا یا لیکن فتح پانے والا بھی اپنی مدد کرنے والی طاقت کا دست نگر ہو کر غلامی کی ذلت قبول کرنے پر مجبور ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ دشمن جب دوست کے لباس میں سامنے آتا ہے تو اس کے اظہار دوستی اور تعاون کی حقیقت جاننے میں سمجھداری کا بڑا امتحان ہوتا ہے، اس سمجھداری میں کوتاہی برا انجام لاتی ہے، چنانچہ اندلس سے مسلمانوں کا اخراج اسی کمزوری کے نتیجہ میں ہوا اور ہندوستان جیسے وسیع رقبہ اور آبادی والے بڑے ملک کو آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے اپنے سے آٹھ گنا چھوٹے اور سات سمندر پار ملک سے آئے ہوئے حریف کے سامنے ذلت کے ساتھ ماتحتی قبول کرنی پڑی اور اس ماتحتی میں یہ بڑا ملک دوسو سال بے بضاعتی اور بے کسی کے عالم میں رہا، اس کا آج آزادی کے زمانہ میں پورا اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ برطانوی سامراج کے زمانہ میں ملک کی آبادی کو کیا کیا مصیبتیں جھیلنی پڑیں، برطانیہ کے سامنے غلامی میں رہنے کے دور میں آزادی سے کچھ قبل جب کہ ملک کی آبادی آج کے مقابلہ میں ایک چوتھائی تھی، ملک کے باشندوں کو غذا اور سامان زندگی کے حصول میں اتنی کمی کا سامنا کرنا پڑا تھا کہ بنگال کے صوبہ میں ہولناک قحط نے بے شمار آدمیوں کو بھوک سے ختم کر دیا اور پورے ملک میں عرصہ تک کھانے اور زندگی کی دوسری اشیاء کی برابر کمی پیش آتی رہی، حتی کہ غلہ، کپڑا اور ضرورت کا سامان راشن کارڈ اور کنٹرول سے لینے کے لیے لائنیں لگانی پڑتی تھیں اور آج اسی ملک میں آبادی چوگنی ہو جانے کے بعد بھی ضرورت کی اشیاء فراوانی کے ساتھ حاصل ہوتی ہیں، یہ اس لیے کہ ملک کے باشندے خود ہی منتظم واہل کار ہیں، باہر کی طاقت کے رحم وکرم پر نہیں ہیں؛ لیکن یہ ملکی رہنما اگر صرف اپنے دوست اور ملک کے باشندوں کے مفاد ہی کو پیش نظر رکھیں تب ملک کو فائدہ پہنچے گا اور اگر ذاتی مفادات یا صرف فرقہ وارانہ فائدوں کی فکر تک محدود رہیں گے تو ملک کو نقصان پہنچے گا۔

مغربی سامراج کا اس ملک پر قبضہ کے زمانہ میں ملک کی آبادی کو کیا کیا جھیلنا پڑا، ملک کے باشندوں کی طرف سے ۱۸۵۷ء میں

آزادی کی کوشش کی گئی تھی، جس میں کامیابی حاصل نہیں ہوسکی، اس کی سزا میں لوگوں کو خطا کار اور بے خطا کے فرق کے بغیر بے دریغ قتل کیا گیا، یہ استعماری طاقتوں کے کردار کی ایک مثال ہے، اسی نمونہ پر شمالی افریقہ کے مسلمان ممالک میں فرانس اور بعض حصوں میں اٹلی نے جابرانہ سامراجی طریقے اختیار کیے، جس کے نتیجہ میں وہاں کے کئی کئی لاکھ باشندے اس جابرانہ رویہ کی نذر ہوگئے، دنیا میں علی العموم فاتح مفتوح کیساتھ جابرانہ رویہ اختیا کرتا ہے، خاص طور پر جب اس کے سامنے خدا اور آخرت کا تصور رکاوٹ نہ بنے، خدا کا خوف اور آخرت کا صحیح تصور ہو تو انسان انسان کے ساتھ محبت اور خیر خواہی کا ثبوت دیتا ہے، چنانچہ مسلمان حکمرانوں میں بے شمار افراد ایسے گزرے ہیں جن میں خوف خدا اور آخرت کی جزاء وسزا کا خیال تھا، لہٰذا انہوں نے اپنے ماتحت قوموں کے ساتھ انصاف اور ہمدردی کا رویہ اختیار کیا اور یہ نہ ہو تو پھر فاتح کا مفتوح پر ظلم کرنا کوئی نئی بات نہیں ہوتی، چنانچہ یوروپی استعماری طاقتوں نے اپنی مفتوح قوموں کو زندگی کے مختلف محاذوں پر ان کے حقوق سے محروم کرنے کا جابرانہ رویہ اختیار کیا، جس کی واضح مثالیں سیاسی میدان میں، مذہبی میدان میں اور ثقافتی میدان میں کھلے طریقہ سے نظر آتی ہیں، مزید یہ کہ اس کام کے لیے انہوں نے منصوبہ بند کوششیں کیں، یہ منصوبے عام طور پر بڑی ذہانت سے بنائے جاتے رہیں کہ جن کا عام طور پر ان مصیبت زدہ لوگوں کو واقعات کے پیش آجانے ہی پر پتہ چلا۔

برطانیہ نے شام وفلسطین پر اپنے قبضہ کے دوران یہودیوں سے فلسطین میں ان کی آبادی کو قائم کرنے اور اس پر قبضہ دلانے کا وعدہ گذشتہ صدی کے شروع دور میں کرلیا تھا، پھر اس کی تدبیر خاموش طریقہ سے اختیار کی، ان کی بستیاں بسانے میں مدد دی، پھر ان کو فوجی طاقت کی صلاحیت پیدا کرنے میں مدد دی جس کے نتیجہ میں عربوں سے اقتدار چھیننے کا ان کو موقع فراہم کیا اور عرب ملکوں پر جو برطانیہ کے ماتحت رہ چکے تھے جنگ روک دینے پر اصرار کیا، جبکہ عرب اپنے ملک فلسطین میں اپنا اقتدار واپس لینے کے قریب پہنچ گئے تھے، پھر مزید کارروائیاں امریکہ کے تعاون سے اختیار کیں اور بتدریج فلسطین میں ان کی حکومت وسیع اور مضبوط کردی، اسی کے ساتھ عرب ومسلمان ملکوں میں برسر اقتدار ایسے لوگ لائے گئے جو وہاں کے باشندوں کے ساتھ جمہوری قدروں سے ہٹ کر جابرانہ انداز میں معاملہ کرتے رہے اور سامراجی طاقتوں کی مصلحتوں کو فائدہ پہنچانے کا ذریعہ بنے۔

برطانیہ وفرانس نے اپنے زیر اقتدار علاقوں سے نکلنے کے بعد استعماری منصوبہ بندی اور استبدادی کاموں کی باگ ڈور دنیا کی بڑی طاقت امریکہ کے سپرد کردی، چنانچہ گذشتہ صدیوں میں جو طرز عمل برطانیہ اور فرانس کا تھا اس کو جمہوری عنوانات سے امریکہ انجام دینے لگا، جس کے اثر سے مشرقی قوموں کی زندگی کے مختلف پہلو اس کے استعماری منصوبوں کے شکار ہونے لگے، اس کی منصوبہ بندی اسی طرح کی جاتی رہی کہ اس کا اثر اقتصادیات پر کنٹرول کرنے کی صورت میں اور ملک کی سیاسی پوزیشن کو متاثر کرنے کے نتیجہ کے طور پر ظاہر ہو، اسی کے ساتھ ساتھ عیسائی مذہب کی ترویج کے لیے بھی مؤثر ذرائع اختیار کرنے کا سلسلہ بھی ہے اس کے ساتھ لٹریچر اور میڈیا کے ذریعہ بے باک بے خدا ثقافت کی ترویج بھی کی جاتی ہے، اور سامراجی اثر ورسوخ قائم ہونے میں کہیں رکاوٹ پیدا ہو تو کسی بہانے سے عسکری طاقت کو کام میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے، افغانستان میں جو کارروائیاں کی گئیں اور عراق میں جو کی جارہی ہیں ان کے پیچھے بڑی حد تک اقتصادی نفع اندوزی اور سیاسی رجحان پر تصرف کا حق حاصل کرنے کی تدبیریں دیکھی جاسکتی ہیں، مشرقی ممالک میں ذرائع ابلاغ کے وسائل کو ذہن سازی کے لیے جس طرح استعمال کیا جارہا ہے، ان کے پیچھے مذہب اور اخلاق کو مغربی ملحدانہ اہل فکر کی مرضی وپسند کے مطابق ڈھالنے کا منصوبہ صاف دیکھا جاسکتا ہے۔

گذشتہ صدی کے آغاز تک ساری عرب دنیا اور ترکی کا ملک ایک وسیع سلطنت کی صورت میں تھے، یہ مسلمانوں کے لیے ایک بڑے

زبردست ملک کی حیثیت رکھتا تھا، گذشتہ صدی کے آغاز کے بعد برطانوی مشیروں نے عربوں کا شیرازہ بکھیرنے کے لیے عربوں کو قومیت کا نعرہ دے کر ترکی کے خلاف ورغلایا، جس کے نتیجہ میں تحریک چلی اور عرب ملک ترکی حکومت سے الگ ہوکر چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں بٹ گئے اور بتدریج برطانیہ وفرانس کے اقتدار اور سرپرستی میں چلے گئے اور اس کے طرح مسلمانوں کا یہ ملک جو ایک زبردست طاقت تھا، ۲۰/۲۲ چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تبدیل ہوگیا، دوسری طرف ترکوں کو عربوں کے اس رویہ کے خلاف نفرت دلا کر اسلام کی تعلیمات سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی اور مصطفیٰ کمال پاسا کے ذریعہ اسلام کے شعائر کو ممنوع قرار دلوایا، بہرحال آج مشرقی وسطی میں جو سیاسی اور حکومتی انتشار اور آپسی ٹکراؤ ہے اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ سب برطانیہ کی ذہن سازی اور ترکیب کا نتیجہ ہے۔

فرانس نے مراکش، الجزائر اور تیونس پر اپنے قبضہ کے دوران عربی زبان سے ان کو محروم کرنے اور فرانسیسی زبان کو ان ملکوں کی وطنی زبان بنانے کی تدابیر اختیار کیں، علماء نے مقابلہ کیا اور بالآخر پندرہ بیس لاکھ افراد کی جانوں کی قربانی لینے کے بعد فرانس نے ان علاقوں کو چھوڑا؛ لیکن الگ الگ کرکے اور اپنی تعلیمی تدابیر سے ان کے باشندوں کا ذہن یورپ زدہ بنانے کے ساتھ چھوڑا، جس کے اثرات وہاں کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور حکمرانوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

مشرقی ایشیا میں ہالینڈ نے بھی سامراجی پالیسی کے تحت انڈونیشیا پر اقتدار قائم کیا اور بڑی مشکل سے ملک کو چھوڑا؛ لیکن اپنے ثقافتی اثرات سے وہاں عیسائیت کو فروغ دینے کی کوشش کی جس کی سرپرستی امریکہ ودیگر مغربی ممالک ملک کے آزاد ہوجانے کے بعد بھی کررہے ہیں اور عیسائیت کو مسلط کرنے کی برابر انتھک کوشش جاری ہے۔

یورپ کے ملکوں کی طاقت کمزور ہوجانے کے بعد ان کاموں کے لیے امریکہ نے ان کی جگہ سنبھال لی، اس نے جاپان کو قابو میں کرنے کے لیے اس کے آباد شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے جس سے لاکھوں افراد ہلاک اور معذور ہوئے، پھر ویت نام میں اپنا اثر قائم کرنے میں ہزارہا ہزار انسانوں کی جانیں لیں اور اب کچھ عرصہ سے افغانستان اور عراق پر قبضہ جمایا جس کے دوران کتنے بے گناہوں کو جیل اور سزا کی اذیتوں سے گزرنا پڑا اور اب بھی گذر رہے ہیں اور اب شام وایران کے بھی ان کے زد میں آنے کے امکانات ہوگئے ہیں اور ان سب نے مشرقی ملکوں میں جس تہذیب وتمدن کا پرچار کیا جو ان کی سرپرستی میں برابر جاری ہے، اس میں تمام اسلامی اور مشرقی قدروں کو ہولناک چیلنجوں کا سامنا ہے، اخلاقیات کا پورا ڈھانچہ بدلا جارہا ہے۔

خود امریکہ ویورپ کے اخلاقی آزادی اور حیا سوز بیباکی کے جو واقعات ان کے تمدن ومعاشرہ میں پیش آرہے ہیں جن کو وہ رضامندی کے ساتھ ہونے پر کچھ عیب کی بات نہیں سمجھتے وہ ایسے غیر معمولی ہیں کہ بعض جانوروں میں بھی پیش نہیں آتے، اس آزادی وبے باکی کے نتیجہ میں لاکھوں بچے ایسے پیدا ہورہے ہیں جن کے باپ کا پتہ نہیں چلتا، صرف ماں تک ان کا تعلق ثابت ہوتا ہے اور مرد وعورت کی شادی کو زحمت سمجھ کر دل خوش کرنے کے دوسرے ذرائع اختیار کرنا بھی عام ہوتا جارہا ہے، اس کے لیے میڈیا کے ذرائع اور قانون ہمت افزائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور یہی صورت حال مغربی ملکوں کی طرف سے ان کے سامراجی ذرائع سے مشرقی ممالک کے ساتھ ہمدردی اور خیرخواہی کے نام سے اختیار کی جارہی ہے۔

افسوس یہ ہے کہ ان حالات کو مشرقی قوموں کے دانشور ابھی زیادہ توجہ کے قابل نہیں سمجھ رہے ہیں ان میں عمومی ذہن کے اعتبار سے حالات کے بارے میں زیادہ خطرہ کی بات نہیں سمجھی جاتی ہے، اچھا گمان ہی پایا جاتا ہے، حالانکہ اس طرح کے کاموں کے لیے جو منصوب استعماری طاقتیں استعمال کرتی ہیں ان کا انتظام بعض وقت کئی دہائی پہلے شروع ہوا ہوتا ہے اور جب نتائج تک نوبت پہنچتی ہے تب لوگوں کو کچھ توجہ ہوتی ہے اور اس وقت تک ان کے تدارک کا موقع ہاتھ سے

تقریباً نکل چکا ہوتا ہے اور صرف افسوس کیا جاسکتا ہے۔

ان حالات کی صورت میں مشرقی ممالک کی سیاسی، ثقافتی اور اخلاقی زندگی پر جواثرات پڑرہے ہیں اور جو خود ان کی کتابوں اور رسالوں میں آرہے ہیں، ان سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور وہی اثرات ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مشرقی ممالک کے پڑھے لکھے لوگوں میں پیدا کئے جارہے ہیں اور اس طرح مشرقی ممالک کے جو معدنی ذخائر یا اقتصادی ذرائع ہیں مغربی طاقتوں کی طرف سے ان سے نیم مالکانہ فائدہ اٹھانے کی تدابیر کی جارہی ہیں، یہ ایسا ہے کہ اس کو ایک طرح سے پوشیدہ غلامی کا بھی نام دیا جاسکتا ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم خوبصورت اصطلاحات اور پسندیدہ الفاظ اور دلکش انداز بیان سے ہی حقیقت کو سمجھنے میں مدد نہ لیں؛ بلکہ ماضی اور حال کے واقعات کی حقیقتوں کے گہرے مطالعہ کے ذریعہ غالب قوموں اور بااثر طاقتوں کے عزائم کو سمجھنے کی کوشش کریں، اور ان عزائم کے تحت جو منصوبے ہوسکتے ہیں ان کو شروع ہی میں سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ ان کے عمل میں آجانے اور نتائج ظاہر ہونے سے پہلے ان کا تدارک کریں اور اگر تدارک نہ کرسکیں تو کم از کم ان سے آگاہ ہوسکیں اور دوست و دشمن میں فرق سمجھ سکیں، خاص طور پر دشمن اگر دوستی اور ہمدردی کے انداز اور اظہار کو اپنا طریقۂ کار بنا رہا ہو۔

ہماری مشرقی دنیا میں گزشتہ تین صدیوں کے اندر مغربی استعمار اور اس کے استحصالی مقاصد سے جس طرح سابقہ پڑا ہے وہ بڑا دردناک ہے اور مغربی ذرائع ابلاغ کے تصرف اور اثر ورسوخ کی وجہ سے مغرب کے استحصالی رویہ کو سمجھنے میں بڑی کوتاہی ہورہی ہے، اور اب استعماری واستحصالی رویہ اتنا مخفی بھی نہیں رہا کہ جس کے سمجھنے میں دشواری ہو، مگر افسوس یہ کہ ہم ابھی اپنے محدود مسلکی اور ذاتی وشخصی مصلحتوں کے ٹکراؤ سے ہی پوری طرح نہیں نکل سکے ہیں اور اپنی طاقت اور دانشوری کا میدان علی العموم ان ہی ذاتی وشخصی مقاصد کو ہی بنائے ہوئے ہیں۔

ضرورت ہے ہم ان دانشوروں کے مضامین اور کتابوں کا مطالعہ کریں جنہوں نے مغرب کے اس رویہ کا گہرا مطالعہ کرکے اس کے مضر پہلو اور اس کے مؤثر نتائج کی نشاندہی کی ہے اور اب اس سلسلے کا لٹریچر اچھا خاصہ تیار ہوچکا ہے اور مغربی ممالک میں آنے جانے والے یا وہاں کچھ وقت گزارنے والے حضرات ایک تعداد میں یہ مفید کام انجام دے رہے ہیں۔

//////☆☆☆☆//////

کپڑے پہنے ہوئے بھی ننگی

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے متعلق ایک پیشین گوئی فرمائی کہ کچھ ایسی عورتیں موجود ہوں گی جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی؛ لیکن پھر بھی ننگی ہوں گی، یعنی اس قدر باریک کپڑے پہنیں گی، کہ ان کے پہننے سے جسم چھپانے کا فائدہ حاصل نہ ہوگا، یا کپڑا باریک تو نہ ہوگا مگر چست ہونے اور بدن کی ساخت پر کس جانے سے اس کا پہننا نہ پہننا برابر ہوگا، بدن پر کپڑے ہونے او راس کے باوجود ننگا ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بدن پر صرف تھوڑا سا کپڑا ہو اور جیسا کہ یورپ (اور ایشیاء کے بعض شہروں مثلاً، بمبئی، کلکتہ، رنگون، سنگاپور وغیرہ) میں ایسا لباس پہننے کا رواج ہے، کہ گھٹنوں تک قمیص یا فراک ہوتا ہے، آستین یا تو ہوتی ہی نہیں یا اس قدر کوتاہ ہوتی ہے کہ مونڈھے سے صرف دو چار انچ ہی بڑھی ہوئی ہوتی ہے، پنڈلیاں بالکل ننگی ہوتی ہیں اور سر بھی دوپٹہ سے خالی ہوتا ہے اور فراک کا گلا آگے اور پیچھے سے اس قدر فراخ اور چوڑا ہوتا ہے کہ نصف کمر اور نصف سینہ نظر آتا ہے۔

(ماخوذ از اسلام میں پردہ کی اہمیت، مصنفہ سارہ عزیزی)

سیرت

مولانا روم کی عصری معنویت
عادات وخصائل کی روشنی میں

پروفیسر بدرالدین الحافظ جامعہ نگر نئی دہلی-۲۵

اسلامی تصوف کی تاریخ میں مولانا جلال الدین رومیؒ (وفات ۶۷۲ھ) ایک منفرد اور امتیازی حیثیت کے بزرگ ہیں جو اسلامی درسیات اور دیگر متداول علوم میں کامل دستگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ خواہش مند طلباء کو ان علوم کی تعلیم بھی دیتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب علم کلام کی تحصیل کو ناگریز سمجھا جاتا تھا اور اسلامی عقائد، عبادات اور معاملات صبغۃ اللہ کے بجائے علم کلام کا رنگ اختیار کر رہے تھے، ایمانی کیفیات استدلالیوں کے شکنجہ میں کراہ رہی تھیں اور یہی علوم عقلیہ روحانی اسرار ورموز کو پامال کرنے میں مسلسل سرگرداں تھے، ایسے نازک اور ابتر حالات میں ایک صاحب دل علم کلام کے ماہر کی ضرورت تھی جو لوگوں کے ذہنی اور فکری شکوک وشبہات کو قلبی اور روحانی فکر میں تبدیل کر کے صراط مستقیم کی نشاندہی کر سکے، یہ ہستی جلال الدین محمد بن محمد معروف بہ بہاء الدین (وفات ۶۲۸ھ) کی صورت میں بمقام بلخ نمودار ہوئی۔

ایام طفولیت میں تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو آباء واجداد کی روایت کے مطابق عمومی علوم پڑھنے شروع کیے، ان میں عربی زبان کے قواعد عروض، قرآن مجید، فقہ، اصول فقہ، حدیث، تفسیر، تاریخ، عقائد، منطق فلسفہ، ریاضی اور نحو شامل تھے۔

والد بزرگوار نے سیاسی حالات کی بنا پر بلخ سے ہجرت فرما کر قونیہ میں سکونت اختیار کی اور وہاں ۶۲۸ھ میں وفات پائی، اس وقت مولانا رومیؒ کی عمر ۲۴ رسال تھی، مگر ذہن کی ادراکی اور عقل وفہم کی رسائی میں اپنے معاصرین سے بہت آگے تھے، چنانچہ آپ کے فضل وکمال کو دیکھتے ہوئے والی قونیہ علاء الدین کیقباد کی ایماء پر آپ کو والد مرحوم کا جانشین قرار دے دیا گیا، اس کے بعد مولانا رومی نے وعظ وتذکیر وتدریس کا کام شروع کر دیا اور تھوڑے ہی عرصے میں آپ اس علاقے کے ایک مستند عالم فقیہ اور صوفی کی حیثیت سے مشہور ومقبول ہوئے۔

اس کے بعد روحانی دنیا کا ایک حقیقت شناس صوفی ہونے کی حیثیت سے گردوپیش کے ناگزیر منفی حالات کو کس طرح مثبت انداز سے سوچنے لگے، یہ مثنوی کے اس شعر میں ملاحظہ ہو۔

کوئے نومیدی مرو امید ہاست
سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

مایوسی کے کوچہ کی طرف نہ جا کیونکہ امیدوں کے کوچوں کی کمی نہیں، بہت سے آفتابوں کے ہوتے ہوئے تاریک راستہ کی جانب رخ نہ کرنا۔

اس طرح کی فکر کے ساتھ یہاں ہم چاہتے ہیں کہ صاحب المثنوی کے عادات وخصائل، محاسن اخلاق کمالات صوری ومعنوی پر کسی قدر روشنی ڈالیں جو اس غلبہ مادیت کے زمانے میں ایک صاحب باطن وپیرو سیرت محمدی کی عصری معنویت اور اہمیت کو واضح کر سکے۔

حضرت مولانا جہاں ایک طرف متدین عالم، ماہر زبان وبیان اور صاحب کشف وکرامات صوفی کی حیثیت سے ایک معتبر شخصیت کے مالک تھے، وہاں آپ مخلوق خدا کے لیے ایک دردمند دل بھی رکھتے اور ہمہ وقت فیض رسانی عام میں مشغول رہتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ گھر میں تشریف لائے اور دیکھا کہ آپ کی صاحبزادی ملکہ خاتون اپنی کسی کنیز کو کسی غلطی پر سزا دے رہی ہیں، یہ

دیکھتے ہی آپ کا دل تڑپ اٹھا اور سختی سے بیٹی کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا ''اسے کیوں سزا دیتی ہو، اگر وہ خاتون ہوتی اور تم اس کی کنیز ہوتیں تو تمہارا کیا حال ہوتا؟ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں فتوی دیدوں کہ دنیا میں کوئی کنیز نہیں ہے، جو ہے وہ خدا کی کنیز ہے اور حقیقت ہے بھی یہی کہ غلام اور کنیز ہمارے بھائی بہن ہیں''۔ ملکہ خاتون نے اس وقت توبہ کی اور جو کچھ پہنے ہوئے تھیں اتار کر اس کنیز کو پہنا دیا اور پھر عمر بھر کسی غلام یا کنیز کو تکلیف نہیں دی، مثنوی میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ؎

مصطفی کردایں وصیت بابنون

اطعموا الاذنــاب ممـــا تا کلون

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کو نصیحت فرمائی کہ تم کم درجہ کے لوگوں کو یعنی غلام وغیرہ کو وہی کھلاؤ جو چیز تم خود کھاتے ہو، خاکسار نے جب مولانا کے ان اشعار کو پڑھا تو خیال آیا کہ یہ تو بالکل بخاری شریف کی حدیث کا مفہوم ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم العبید اخوانکم فاطعموھم مماتاکلون'' (بخاری جلد اول صفحہ ۳۴۶) غلام تمہارے بھائی ہیں تم ان کو وہی سب کچھ کھلاؤ جو تم کھاتے ہو۔

اس وضاحتی حدیث سے یہ بات بھی مستند ہو جاتی ہے کہ مولانا روم کے اشعار یا ملفوظات روح قرآن اور حدیث نبوی ہی کا مفہوم ہوتے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ مولانا کی شفقت و رحمت بنی نوع انسان سے گزر کر حیوانوں تک کے لیے عام تھی، شیخ نفیس الدین سیواسی کی روایت ہے کہ ایک روز مولانا نے مجھ سے فرمایا دو درہم کا عمدہ خطاب یعنی شرینی خرید لاؤ، حالانکہ اس زمانے میں خطاب ایک درہم میں بکتا تھا، میں خرید کر لایا تو آپ نے میرے ہاتھ سے لے لیا اور کپڑے میں رکھ کر روانہ ہوئے، میں بھی پیچھے پیچھے چلا، آپ ایک خرابہ میں پہنچے، وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کتیا اور اس کے ساتھ بچے سوئے ہیں ''سات روز سے اس نے کچھ کھایا نہیں ہے اور بچوں کو چھوڑ کر جاتی نہیں ہے'' یہ کہہ کر وہ خطاب اس کتیا کو کھلایا اور میں مولانا کی یہ شفقت رافت دیکھ کر حیران رہ گیا۔

دنیاوی مال ومتاع سے نفرت:

مولانا کا بذات خود مال دنیا سے متنفر ہونا کوئی بڑی بات نہیں تھی مگر آپ تو اپنے مریدوں اور مخلصوں کے لیے بھی مال دنیا کی کثرت پسند نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کے خاص مرید شیخ بدرالدین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں اپنے فن کیمیا گری پر بڑا ناز تھا، وہ اس کمال کو دکھانا بھی چاہتے تھے، جب مولانا کو اس کا علم ہوا تو فرمایا ''میں اس کوشش میں رہتا ہوں کہ سونے کو خاک کر دوں کہ اس کا فتنہ ختم ہو جائے اور اب ایک صاحب آئے ہیں کہ میں خاک کو سونا بنا سکتا ہوں کہ اور فتنہ برپا ہو'' انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ '' الفتنہ نائمۃ ولعن اللّٰہ تعالی من ایقظھا '' (فتنہ تو سویا ہوا ہے اور اللہ تعالی نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو اسے جگائے۔

محنت ومشقت کی کمائی:

صدقہ وہدیہ پر گزارا کرنا مولانا کو قطعی ناپسند تھا اور اپنے مریدوں کو ہمیشہ اس کے خلاف نصیحت کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ اپنی مجلس میں فرمایا کہ اکثر اولیا اللہ نے سوال کو ذات نفس کے لیے جائز کر رکھا تھا مگر میں نے اس در کو بند کر دیا تا کہ میرے مریدین اپنی محنت سے کمائیں یا تجارت میں مشغول ہوں اور اس پر کئی واقعات سنائے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسی علیہ السلام کی آنکھ میں درد ہوا، آپ نے بارگاہ رب العزت سے دعا کی، بعض نباتات کے استعمال کا حکم ہوا، آپ نے وہ نباتات جنگل سے لے کر استعمال کیں مگر درد اور بڑھ گیا، پھر فریاد کی، ارشاد ہوا ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ بلا زحمت جنگل سے گھاس لے کر استعمال کرو، ارے کسی طبیب کے یہاں جا کر لو کہ اس سے تمہیں بھی فائدہ ہو اور اسے بھی نفع پہنچے۔

اسی طرح ایک مرتبہ مولانا کے احباب میں ایک شخص تازہ انجیر لایا، آپ نے فرمایا کہ انجیر اچھے ہیں مگر اس میں ہڈی ہے، اسے تعجب ہوا کہ انجیر میں ہڈی کیسی؟ وہ دوبارہ گیا اور پھر دوسرے انجیر لایا آپ نے دیکھ کر نوش فرمایا اور کہا اس میں ہڈی نہیں ہے اور خادم کو اشارہ کیا کہ حاضرین مجلس میں تقسیم کردو، لوگوں کو اس معاملے میں حیرت تھی، بعد میں معلوم ہوا کہ پہلی بار وہ شخص باغ کے مالک سے کہے بغیر بلا اجازت انجیر توڑ لایا تھا اور دوسری بار قیمت ادا کرکے لایا، آپ کاہل آدمی کو قطعی ناپسند فرماتے اور کہتے تھے کہ حق تعالیٰ "مردم کاھل وعاطل واھل کسل" کو دوست نہیں رکھتا۔

فتویٰ نویسی اور کسب حلال:

حضرت مولانا روم اپنے والد سلطان العلماء کی طرح افتاء کی خدمت انجام دیا کرتے تھے، اور اس کے لیے بیت المال سے آپ کے لیے کچھ مرسوم وظیفہ بھی مقرر تھا، مولانا کو اس معاملے میں نہایت اہتمام تھا کہ وہ وظیفہ آپ کے لیے جائز رہے اسی لیے اپنے اصحاب سے ہمیشہ تاکید فرماتے کہ میں کسی حال میں ہوں؟ اگر کوئی شخص فتویٰ لائے یا کچھ سوال کرے تو اس کو روکو نہیں تاکہ وظیفہ مجھ پر حلال ہوجائے اور میں نہیں چاہتا کہ اس خاندان سے فتویٰ منقطع ہوجائے۔

مریدین کی قدر افزائی :

مریدین اگر مولانا کی کچھ خدمت کرتے تو اس کی قلت و کثرت پر نظر نہ کرتے بلکہ قلیل کو اس طرح سراہتے کہ وہ سبک نہ ہو، ایک مرتبہ دوتر کی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تھوڑی سی مسور ہدیہ میں لائے اور اس مختصر معمولی چیز پر شرمندہ تھے، مولانا نے اس پر ایک حکایت بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی ایک روٹی اور تین چھوہارے لے کر آئے، کیونکہ اس سے زائد ان کے پاس اور کچھ نہیں تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سب سے زیادہ وزنی قرار دیا اور "القلیل عند الجلیل کثیر" بڑے کے نزدیک تھوڑی چیز بھی کثیر ہوتی ہے، اس جملہ نے سب ہی لوگوں کو خوش کردیا۔

اھل کمال کی قدردانی :

مولانا روم اہل کمال کی قدردانی میں بھی کوتاہی نہیں فرماتے تھے، ایک روز ملک الحفاظ اسحاق مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے، مولانا نے بہت تعظیم کی، بلند جگہ بٹھایا اور فرمایا کہ مصحف کی عزت کرتے اور رحل پر رکھتے ہیں، حفاظ کرام چونکہ حامل کلام اللہ ہیں، انہیں کیوں نہ بلند جگہ دی جائے، کسی کاغذ میں قرآن مجید لکھا جاتا ہے، اسے آگ میں نہیں ڈالتے، تو جس دل میں قرآن شریف ہو، تو اسے دوزخ میں کیوں ڈالیں گے، اس پر شہر کے تمام حفاظ شکر گزار ہوئے اور مرید ہوگئے۔

ایک روز لوگوں نے مولانا سے امامت کے لیے کہا تو فرمایا "ہم لوگ ابدالی ہیں، جہاں ہوتا ہے وہاں بیٹھ جاتے ہیں اور کھڑے ہوجاتے ہیں، امامت کے لیے ارباب تصوف و تمکین کی ضرورت ہے" یہ کہہ کر شیخ صدرالدین کی طرف اشارہ کیا، انھوں نے امامت کی، بعد نماز کے فرمایا "من صل خلف امام تقی کانما صلی خلف نبی" جس شخص نے متقی پرہیزگار امام کے پیچھے نماز پڑھی، گویا اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، اس پر شیخ صدرالدین آداب بجالائے۔

حضرت کو تکبر ناپسند تھا :

حضرت مولانا روم میں تکبر کی ادنی جھلک موجود نہ تھی، مگر مصلحتاً آپ امراء اور سلاطین کی دنیاداری کی وجہ سے ملنا پسند نہ فرماتے، ایک روز مولانا سے لوگوں نے سوال کیا کہ بعض اولیاء اللہ متکبر ہوتے ہیں، یہ تکبر کس وجہ سے ہے؟ آپ نے جواب میں ایک حکایت بیان فرمائی کہ امام جعفر صادق کبھی کبھی تزکیۂ نفس میں مشغول ہوتے تو اس وقت تمام خلق بلکہ بادشاہوں کی جانب بھی توجہ نہ فرماتے، لوگوں نے اس تکبر کی نسبت سوال کیا، فرمایا حاشا میں متکبر نہیں ہوں، لیکن جب میں اپنی ہستی سے گزر جاتا ہوں اور خدا کی کبریائی مجھے مستھلک کردیتی ہے تو یہ اس کی کبریائی کا جلوہ ہوتا ہے، میں درمیان میں نہیں ہوتا۔

/////☆☆☆/////

مکتوبات اکابر

مکتوبات حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ایک شاگرد کے نام

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرنسل لاء بورڈ سے پہلی مرتبہ ملاقات اس وقت ہوئی جب یہ نامہ سیاہ ششماہی امتحان کی چھٹی میں رائے پور سے اکابر سے ملاقات کے لیے لکھنؤ، ہردوئی اور باندہ گیا، غالباً مغرب بعد حضرت مولانا سے ملاقات ہوئی، حضرت مولانا اورآپ کے برادر اصغر حضرت مولانا سید واضح رشید ندوی اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے، راقم نے ملاقات کے بعد تعارف کرایا، اور حضرت نے چائے سے ضیافت کی، اس کے بعد جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے مشورہ سے ندوہ پڑھنے گیا تو آپ ہی کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں عالیہ اولی پڑھا جائے، چنانچہ حضرت مولانا نے وہاں کے ذمہ داروں کے نام خط لکھ دیا، اور یہ راقم رائے بریلی گیا، اس کے بعد جب ندوۃ العلماء میں آنا ہوا تو وہاں آپ کو بحیثیت مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے جانا اور پہچانا، یہاں پر بھی آتے ہی آپ کی طرف سے شفقت کا معاملہ کچھ اس طرح ہوا، کہ راقم کی رہائش سلیمانیہ ہاسٹل میں ہوگئی اور خواہش یہ تھی، اطہر ہاسٹل میں سیٹ ملے، کئی روز اندرونی پریشانی کے بعد حضرت مولانا محمد رابع صاحب کو جاکر درخواست دی کہ میرا ہاسٹل بدل کر اطہر میں کردیا جائے اوراس میں احقر نے یہ بات بھی لکھی کہ گذشتہ سال ضیاء العلوم میدان پور میں تھا تو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ خیال فرماتے تھے، اورانہوں نے وہاں کے ذمہ داروں کو بھی ہدایت کررکھی تھی کہ ان کا خیال رکھنا، چنانچہ میں نے لکھا کہ اس وقت حضرت مولانا یہاں نہیں ہیں (غالباً حضرت مولانا کہیں سفر پر تھے) تو آپ ہی میرا معاملہ آسان فرمادیں، چنانچہ حضرت مولانا نے مولانا عبدالعزیز ندوی بھٹکلی کو لکھا کہ ''اگر کوئی بڑا مانع نہ ہو تو ان کا معاملہ آسان کردیا جائے'' بس مولانا عبدالعزیز صاحب نے تحریر دیکھتے ہی اطہر ہاسٹل میں جانے کی اجازت دیدی، اور یہ ناکارہ پھر وہاں دلجمعی کے ساتھ رہا، ندوۃ العلماء کے قیام کے دوران جب نامہ سیاہ نے ''بچوں کی تمرین التجوید'' لکھی تو اس پر بھی حضرت مولانا نے تعارفی مقدمہ تحریر فرمایا، اس کے بعد جب راقم نے عربی میں ''ریاض البیان فی تجوید القرآن'' تصنیف کی، اس پر بھی آپ نے ''تصدیر'' تحریر فرمائی، راقم کی کتاب ''حیات عبدالرشید'' پر بھی تقریظ لکھی اور عالیہ رابعہ (عربی ہشتم) میں آکر آپ سے شرف تلمذ بھی حاصل ہوا، اور آپ نے پورے سال ''الادب العربی'' کا درس دیا، اس طرح آپ سے تدریجی طور پر قربت ہوتی گئی، پھر فضیلت کے سالوں میں بھی آپ کی شاگردی کا شرف حاصل رہا، اور حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وفات کے بعد جب آپ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین واقع ہوئے تو آپ کے دست مبارک پر حضرت مفکر اسلام کی وفات کے دوسال بعد غالباً رمضان کی ۲۸؍ تاریخ کو تجدید بیعت کی اور آپ سے سلوک واحسان کا رشتہ قائم ہوا، حضرت مولانا سے خط وکتابت کی کم ہی نوبت آئی چونکہ اکثر بات فون پر ہوجاتی ہے، جب راقم نے ایک دینی مرکز قائم کرنے کا ارادہ کیا تو فون پر آپ کو اس کی اطلاع دی، آپ نے خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ یہ وقت کا تقاضہ ہے اور دعائیہ اور حوصلہ افزا کلمات سے نوازا، اور

اس کے سنگ بنیاد کی تقریب میں ۳۱/مارچ ۲۰۰۱ء میں مظفرآباد تشریف بھی لائے، گھر پر قیام رہا اور وہیں لڑکیوں کو ''القراءۃ الراشدہ'' کا درس دیکر ''جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات'' کا افتتاح بھی فرمایا اور مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا سنگ بنیاد رکھا، اس طرح روز اول سے ہی حضرت مولانا مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے سرپرست ہیں، الحمد للہ آپ کی سرپرستی اور آپ کے مفید مشوروں سے مرکز روز بروز روبہ ترقی ہے اور دینی، دعوتی اور تعلیمی خدمت میں مصروف ہے، ایک موقع پر جب مرکز میں مسجد تعمیر ہوئی تو اس کی افتتاحی تقریب کے لیے حضرت مولانا کو فیکس کیا جس میں مرکز کے حالات لکھے اور دعاؤں کی درخواست کی اور مسجد کی افتتاحی تقریب میں شرکت کے لیے درخواست کی، جس پر حضرت مولانا نے بڑے اہتمام سے مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا:

۱- باسمہ تعالی

محمد رابع حسنی ندوی

ندوۃ العلماء لکھنؤ

عزیز مکرم مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی سلمکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا فیکس ملا، دھندلا دھندلا تھا، تھوڑا بہت پڑھ لیا، آپ نے اپنے مدرسہ کے حالات لکھے ہیں جو قابل شکر اور لائق قدردانی ہیں، آپ نے لکھا ہے کہ میں عرصہ سے وہاں نہیں آیا، اور آئندہ اس کی تقریب کے موقع پر وہاں آنے کی دعوتی دی ہے، میرے لیے خوشی کی بات ہے کہ میں وہاں آؤں، رائے پور قریب ہے، وہاں بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوگی، لیکن ابھی چند ماہ مختلف پروگراموں سے گھرے ہوئے ہیں، اس لیے ابھی قریبی موقع پر آنے کا وعدہ نہیں کرسکتا، ندوہ میں کئی ایسے حضرات ہیں کہ ان کا وہاں ایسے موقع پر جانا انشاء اللہ مفید ہوگا، ان کے ذریعہ آپ اس موقع کو مؤقر بنا سکتے ہیں، میرے لیے آئندہ دیر میں کسی موقع پر رائے پور حاضری کی سہولت نکلے گی، اس موقع سے آپ کے یہاں بھی حاضری ہوجائے گی۔

دعاؤں میں یاد رکھیں۔

والسلام

۱۴۲۵/۶/۱۳ھ محمد رابع حسنی ندوی

اس کے بعد جب مرکز سے ایک دینی، دعوتی، اصلاحی مجلّہ نکالنے کا پروگرام بنایا اور رسالے کا نام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے نام پر ''مفکر اسلام'' رکھا، حضرت مولانا سے مشورہ چاہا، اور اس کی بھی افتتاحی تقریب کے لیے دعوت دی، اور مدرسہ کے حالات لکھ کر دعاؤں کی درخواست کی، جس پر حضرت مولانا کا دوراندیشانہ اور مربیانہ جواب شرف صدور لایا، جو مندرجہ ذیل ہے:

۲- باسمہ سبحانہ

ندوۃ العلماء لکھنؤ

مکرم وبرادرم مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی سلمکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا اور فون پر بھی بات ہوئی، ادارہ کے توسع اور ترقی سے خوشی ہوئی، اللہ تعالی آپ کی کوششوں کے بہتر نتائج پیدا فرمائے، آمین، رسالہ نکالنا اچھی بات ہے، البتہ نام شخص پر نہیں بلکہ عمل کے تعلق سے ہونا چاہئے، اس لیے ''فکر اسلامی'' یا ''دعوت حق'' یا ''حسن اخلاق'' جیسے عنوان مناسب ہوسکتے ہیں۔

آپ کے یہاں حاضری تو دل میں ہے؛ لیکن آئندہ کئی ماہ ایسے پروگراموں سے گھرے ہوئے ہیں کہ کوئی تاریخ ابھی طے نہیں کرسکتے، اللہ تعالی کو جب منظور ہوگا انشاء اللہ آئیں گے، آپ اپنا پروگرام کرلیں، ہماری وجہ سے اس کو نہ روکیں، ہم دعاء کرتے ہیں۔

والسلام

۱۴۲۶/۱۱/۲۹ھ محمد رابع حسنی ندوی

اس خط کے آتے ہی اطلاع آئی کہ رسالہ کا نام مفکر اسلام کی بجائے ''نقوش اسلام'' منظور ہوا ہے، اس کے بعد حضرت مولانا سے رسالہ کے لیے پیغام کی درخواست کی، جس پر رسالے کے لیے یہ مؤقر

پیغام آیا:

۳- باسمہ تعالیٰ سبحانہ

کلام انسانی کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی بہت عظیم خصوصیت اور بڑے بڑے مقاصد کی تقویت کا ذریعہ بنایا ہے، اور انسان نے اپنی تاریخ میں اس ذریعہ سے بڑا کام لیا ہے، اور اس کی یہ خصوصیت جب صحیح طور پر عمل میں لائی گئی تو حیرت انگیز نتائج سامنے آئے، بعض بعض وقت حالات میں انقلاب آ گیا۔

انسانی کلام کو استعمال کرنے کی صلاحیت ایسی صلاحیت ہے کہ انسانی زندگی اپنی پراثر کیفیات کے ساتھ کارفرما ہونے میں اکثر اسی صلاحیت کی مرہون منت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو اپنے بندوں کے فائدہ کے لیے ان بندوں میں اختیار کردہ کلام کے روپ میں اتارا، اور اپنے بندوں کی خاصی تعداد کو پتھر سے ہیرا بنا دیا، پھر اپنے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام کے ذریعہ اپنے بندوں کی رہنمائی اور رہبری کا ایک سلسلہ قائم کر دیا۔

کلام انسانی کے عمل پیرا ہونے کے ذرائع بھی نئے نئے پیدا ہوئے اور آج کے دور میں طباعت کی سہولت بڑھ جانے کی بنیاد پر ماہانہ، ہفتہ وار اور یومیہ انسانوں کو کلام انسانی کے ذریعہ دانش اور صلاح وفلاح کی سوغات پہونچائی جاتی ہے، اس کا ذریعہ یہ رسالے اور اخبارات ہی ہیں جو جگہ جگہ سے شائع ہوتے ہیں، ہمارے مدارس اور ہمارے علمی اور دعوتی ادارے بھی اس ذریعہ کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ اس سے فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ کرنے میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔

بہت خوشی کی بات ہے کہ مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد ضلع سہارنپور ایک نئے رسالہ (نقوش اسلام) کا اجراء کر رہا ہے، اس کو مولانا قاری محمد مسعود عزیزی ندوی کی سرپرستی حاصل ہے، جو ایک صاحب علم اور حوصلہ مند عالم دین ہیں، اور بڑے اعلیٰ عزائم کے حامل ہیں، میں دعا گو ہوں کہ ان کو اپنے ان اعلیٰ مقاصد اور مفید کاموں میں پوری کامیابی حاصل ہو، اور اس سے مسلمان نسل کو زیادہ سے زیادہ فیض پہونچے۔

والسلام

۱۴۲۶/۱۲/۷ھ　محمد رابع حسنی ندوی

۲۰۰۶/۱/۸ء　ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

امسال راقم نے مرکز کی طرف سے ایک کتاب ''سفر حج کی مشکلات اور ان کا ممکن حل'' کی اشاعت کی، اس کی خبر اور اطلاع حضرت مولانا کو بذریعہ خط دی، نیز اس کی برکت سے سفر حج کا پروگرام بھی اہلیہ کے ساتھ ہو گیا، اس کی بھی خوشخبری حضرت کو دی اور دعاؤں کی درخواست کی، نیز مدرسہ کے حالات بھی تحریر کئے، جس کا جواب حج سے واپسی کے بعد نامہ سیاہ کو مندرجہ ذیل ملا:

۴- باسمہ سبحانہ

ندوۃ العلماء لکھنؤ

عزیز مکرم مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی سلمکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ بخیر وصحت حج سے واپسی ہوگئی ہوگی، حج میں جانے سے قبل آپ نے جو خط لکھا تھا وہ مجھے مل گیا تھا، جواب میں تاخیر کی تا کہ آپ کو سفر حج سے واپسی پر خط مل جائے، امید ہے کہ حج کے ارکان سب بخیر وخوبی انجام پائے ہوں گے، اللہ تعالیٰ اس کو حج مبرور بنائے، امید ہے کہ دعاء میں مجھے بھی شریک کیا ہوگا، یہ باعث تشکر ہے۔

آپ نے اپنے مدرسہ کے حالات اپنے خط میں تحریر کئے ہیں اور جو دشواریاں ہیں ان کا بھی تذکرہ کیا ہے، دینی مدرسہ کا قائم کرنا اور چلانا بہت محنت اور مشغولیت چاہتا ہے، وہ ماشاء اللہ آپ کرتے ہیں، امید ہے کہ دشواریاں رفتہ رفتہ دور ہوں گی اور مطلوبہ مقصد تکمیل پائے گا۔

میں دعاء گو ہوں، آپ بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

۱۴۲۸/۱۲/۲۴ھ　والسلام

۲۰۰۸/۱/۴ء　محمد رابع حسنی ندوی

راقم کی کئی کتابوں پرحضرت مولانا نے اپنی تصدیقات بھی ثبت کی ہیں،عربی میں ایک کتاب ''الامامۃ فی الصلاۃ مسائلھا واحکامھا'' پر بھی حضرت مولانا نے تصدیقی کلمات تحریر فرمائے، ایک دوسری کتاب ''رہنمائے طریقت'' پر مندرجہ ذیل کلمات تحریر فرمائے:

۵-

باسمہ تعالی

مولوی قاری محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب کو دین کی باتیں بیان کرنے کا اچھا سلیقہ ہے،علم دین کے کئی موضوعات پر ان کی تصنیفات ہیں،جن میں مضمون کو سہل بنا کر بیان کیا گیا اور اس طرح اس کو دلنشیں بنایا گیا ہے۔

زیرنظر کتاب ''رہنمائے طریقت'' میں تصوف وطریقت کی جو تشریح علماء حق کرتے ہیں اور اس کے سلسلے میں جو اصول وہدایات بیان کرتے ہیں وہ عزیز مکرم مولوی عزیزی صاحب نے اچھے اور سہل انداز میں بیان کیا ہے، اس سے ایک طرف تو اس موضوع کا اچھا تعارف ہوجاتا ہے اور اس راہ کے اختیار کرنے والے کو اس کے آداب وشرائط معلوم ہوسکیں گے، دوسری طرف اس ضروری اور اہم راہ سلوک کے متعلق جو غلط فہمیاں اور گمراہیاں ناواقف لوگوں میں پیدا ہوگئی ہیں ان کا ازالہ بھی اس سے ہوگا۔

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو آسانی سے پڑھا جاسکتا ہے اور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے،اللہ تعالی قبول فرمائے اور جزائے خیر دے۔آمین

۲۳محرم۱۴۲۴ھ محمد رابع حسنی ندوی

ندوۃ العلماء لکھنؤ

گذشتہ سال راقم نے اپنے گذشتہ بارہ، تیرہ سال کے درمیان لکھے گئے مضامین ''مقالات عزیزی'' کے نام سے حضرت مولانا کے سامنے رکھے،حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ یہ نام درست نہیں ہے، اس سے کتاب کی زیادہ اہمیت نہیں ہوگی بلکہ یہ سمجھ کر نظرانداز کردی جائے گی کہ ہوں گے کسی کے مقالات، چنانچہ پہلا باب جو شخصیات سے متعلق تھا اس کا نام حضرت نے ''چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید'' رکھا، اور دوسرے حصہ کا نام ''مقالات ومشاہدات'' رکھا، اور دونوں کے لیے الگ الگ تحریریں عنایت فرمائی جو اول الذکر آپ کی تحریر مندرجہ ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش نظر کتاب ''چند مایہ ناز اسلاف: قدیم وجدید'' مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی کے مقالات کا مجموعہ ہے،ان مقالات میں انہوں نے متعدد اہل حق اسلاف اور قابل تقلید اور قابل استفادہ شخصیتوں کا تذکرہ کیا ہے،جن کی زندگیاں علمی ودینی خدمات میں گذری ہیں، انسان انسان سے سیکھتا ہے،اور اپنی زندگی کے لیے اپنے پیش رو کی زندگیوں سے فیض حاصل کرتا ہے،اس لیے یہ امر مفید اور ضروری ہوجاتا ہے کہ ہم اپنے اسلاف کے طور وطریق کو جانیں،اور ان میں جو ہماری زندگی کو سنوارنے اور بنانے کے لیے مفید ہو، اس کو اپنی زندگی کے لیے رہنما بنائیں، لہٰذا یہ کام اہم اور ضروری ہوجاتا ہے کہ نئی نسلوں کے سامنے گذری ہوئی نسلوں کے چیدہ چیدہ حضرات کے لائق تقلید حالات پیش کئے جاتے رہیں۔

اسی پر عمل کرتے ہوئے مولوی محمد مسعود عزیزی صاحب نے یہ مقالات لکھے،ان کو اللہ تعالی نے لکھنے کا اچھا سلیقہ عطا فرمایا ہے،ان کی متعدد تصنیفات اس سے قبل بھی شائع ہوچکی ہیں،اب ان کے یہ وہ چند اہم مضامین ہیں جن میں انہوں نے اسلاف کرام میں سے بطور خاص چند شخصیتوں کو جنہیں پیش کرنے کا ان کے دل میں تقاضہ پیدا ہوا، پیش کیا ہے، میں امید کرتا ہوں کہ اس مجموعۂ مضامین سے فائدہ پہنچے گا، اور جو حضرات مفصل اور بڑی کتابیں نہیں پڑھ سکتے ان کو ان مفید شخصیتوں کو پڑھنے اور ان کے مفید حالات سے واقف ہونے کا موقع ملے گا،اللہ تعالی قبول فرمائے اور مفید بنائے۔آمین

۱۰/۷/۱۴۲۸ھ محمد رابع حسنی ندوی

۲۶/۷/۲۰۰۷ء ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مولانا بہت دور اندیش، دانشور، مفکر، عربی زبان کے مایہ ناز ادیب اور منجھے ہوئے ربانی عالم ہیں، حضرت مفکر اسلام کی صحبت اور تربیت نے آپ کو کندن بنادیا، گزشتہ زمانے کے بزرگوں کے متعلق سنایا پڑھا تھا کہ ان کے شیخ یا مربی نے ان سے اتنے دن مجاہدے کرائے، دس سال، بیس سال، تیس سال، اور یہاں معاملہ تیس سال چالیس سال کا نہیں بلکہ مفکر اسلام نے آپ کو ستر سال کی عمر میں خلافت عطا فرمائی، ابتدائی دس بارہ سال کو چھوڑ دیا جائے تو بھی ساٹھ سال کے قریب آپ سے مجاہدے کرائے، بڑے سے بڑے مجمع میں بھی حضرت مفکر اسلام نے آپ کو رابع کہہ کر پکارا ہے، جب کہ آج کل معاملہ یہ ہے کہ کوئی رشتہ دار یا استاذ یا شیخ کم سے کم مولوی بھی نہ کہہ کر پکارے تو دل کو بہت برا لگتا ہے اور اس پکارنے والے کی قدر دل میں گھٹ جاتی ہے، حضرت مفکر اسلام کے یوں تو آپ شروع ہی سے دست راست رہے اور آپ کے مشوروں اور علمی کاموں میں شریک رہے اور حضرت مفکر اسلام آپ کے مشوروں اور باتوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کو وقعت دیتے، مگر حضرت مولانا نے مفکر اسلام کے سامنے اپنی بالادستی یا کچھ ہونے کے بارے میں شاید کبھی سوچا بھی نہ ہو، اس لیے اللہ تعالی نے آپ کو حضرت مفکر اسلام کا سچا جانشین بنایا اور ہندو بیرون ہند میں آپ کا فیضان جاری ہے، اللہ تعالی آپ کا سایہ تادیر صحت وعافیت کے ساتھ قائم ودائم رکھے۔

حضرت مولانا کی پیدائش ۱۹۲۹ء میں ہوئی، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ۱۹۴۸ء میں تعلیم مکمل کی، اس کے بعد دارالعلوم میں مختلف تدریسی مراحل طے کرتے ہوئے ۱۹۹۳ء میں مہتمم دارالعلوم ہوئے اور حضرت مفکر اسلام کی وفات کے بعد ۲۰۰۰ء میں ندوۃ العلماء کے ناظم ہوئے، اس کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر، آپ نے تدریسی مشغولیات کے ساتھ تصنیفی لائن کو بھی اختیار کیا اور اس میں ضرورت اور وقت کے تقاضے کے پیش نظر اردو اور عربی میں درسی وغیر درسی بیش بہا تصانیف کیں اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے، آپ نے حضرت مفکر اسلام کی صحبت وتربیت کے ساتھ ساتھ وقت کے اہم مشائخ واکابر سے بھی استفادہ کیا، خاص طور پر حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہم کے نام قابل ذکر ہیں، اللہ تعالی آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ سلامت باکرامت رکھے، اور ہم ناقدروں کو آپ کی قدر کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پہلے سے کہیں زیادہ تیاری کی ضرورت ہے

اس وقت جو ایک عام ذہنی انتشار اور ایک قسم کی مایوسی پر ملت پر پھیل رہی ہے، اور ملت کی صلاحیت کی طرف سے اور دین میں جو صلاحیت ودیعت کی گئی ہے اس صلاحیت کی طرف سے یا دین کے مستقبل کی طرف سے جو بدگمانی اور بے اعتمادی پیدا ہورہی ہے نوجوانوں میں جدید تعلیم یافتہ طبقوں میں اور حاملین دین میں جو بے اعتمادی پھیل رہی ہے، اس کو دور کرنے کے لیے بہت زیادہ تیاریوں کی ضرورت ہے، اس سے بہت زیادہ علمی فتوحات حاصل کرنے کی ضرورت ہے اس سے بہت زیادہ بلند پروازیوں کی ضرورت ہے، اس سے بہت زیادہ کاوشوں دلسوزیوں اور دماغ سوزیوں کی ضرورت ہے، جو ہمارے اسلاف نے کیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے ندوۃ العلماء کی صف اول کے مصنفین اور اہل قلم نے اس زمانے کی نسلوں کو بہت کچھ دیا، انہوں نے اس زمانے کی نسل کو بڑی حد تک مطمئن کرنے کی کوشش کی جو مسائل اس عہد میں اہمیت رکھتے تھے ان مسائل پر انہوں نے جو چیزیں پیش کی وہ اس زمانے کے لحاظ سے بہت طاقتور اور دلنشین تھیں، لیکن اگر آج ان چیزوں کو دہرایا جائے یا بالکل ان کی نقل کی جائے تو اس میں کوئی علمی استدلال نہیں ہوگا، اور لوگوں کو بڑی مایوسی ہوگی۔ (پاجا سراغ زندگی ۷۹)

انکشاف

اکیسویں صدی میں ہونیوالی حیران کن ایجادات

محمد زکریا ورک (کنگسٹن کینیڈا)

بیسویں صدی ایجادات کے مقابلہ میں کچھ کم نہیں تھی اس صدی نے زبردست موجد پیدا کئے جن میں ایڈی سن کا نام سرفہرست ہے، ایک لمحہ کے لئے سن ۱۹۰۰ء میں اس کرۂ ارض پر رہنے والے شخص کو سوچیں کیا اس کے وہم میں اسپیس کرافٹ، لیزرز، کمپیوٹرز اور سیل فونز آ سکتے تھے؟ یا انٹرنیٹ، نیوکلیئر پاور، جینٹک انجینئرنگ، ہیومن کلوننگ یا دیگر دریافتوں کا وہ سوچ سوچ سکتا تھا؟ بلا شبہ سائنس کے مطالعہ سے انسان کا فطرت پر کنٹرول پہلے سے زیادہ بڑھ گیا ہے مگر نیوکلیئر پاور اور اس کے استعمال سے انسان نے خود کو پامال کرنیکا بھی سہل اور مؤثر راستہ بھی تلاش کرلیا ہے۔

اکیسویں صدی میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں اور بھی ترقی ہوگی اور نئی نئی حیران کن ایجادات ہمارے سامنے آئیں گی ان سے زندگی میں شاید اضافہ ہو اور ہمارے رہنے سہنے کے انداز اور بھی بدل جائیں شاید بیماریاں کم ہو جائیں یا پھر ان کے نئے نئے علاج دریافت ہو جائیں، مستقبل کا اندازہ ماضی کو دیکھنے سے لگایا جا سکتا ہے، حضرت انسان فارغ بیٹھنے والے نہیں اس کی فطرت میں جستجو اور نئی چیزوں کی تلاش ودیعت کی گئی ہے قبل اس کے کہ ہم نئی ایجادات کا ذکر کریں ذرا دیکھیں انسان نے بیسویں صدی میں کیا فاش غلطیاں کیں جن میں بعض سائنس دانوں نے ریسرچ ڈیٹا بدل دیا یا پھر بعض نئی راہوں کی تلاش کا بیانگ دہل اعلان کیا مگر وہ بالکل فراڈ تھے، اس چیز کو آئن سٹائن نے کیا خوب ان الفاظ میں بیان کیا ہے Two things are infinite: the universe and the human stupidity, and I am not sure about the universe.

نیوکلیئر ونٹر:

۱۹۸۳ء میں اسٹرانومر کارل ساگن نے رسالہ سائنس میں اپنے مضمون میں اس نظریہ کا اظہار کیا کہ اگر نیوکلیئر ایکس پلوزن ہوئے تو ہماری فضاء میں ڈسٹ کے بادل اتنے گھمبیر ہوں گے کہ وہ تمام کے تمام کرۂ زمین کو گھیر لیں گے، سورج کی روشنی زمین تک پہنچنا بند ہو جائیگی، موسم میں سخت تبدیلی ہوگی، جب ڈائنا سور دنیا سے ناپید ہوئے تھے تو اس وقت بھی ایسا ہوا تھا، ۱۹۹۰ء میں کارل ساگن نے دوبارہ مضمون لکھا اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا کہ اس کی تھیوری میں درجہ حرارت کے اندازے غلط تھے اگر دنیا میں نیوکلیئر ونٹر وار ہوئی تو درجہ حرارت شمالی حصہ زمین میں ۳۶ ڈگری فارن ہائٹ اوسط گر جائیگا۔

کولڈ فیوژن:

۱۹۸۹ء میں امریکہ کی یونیورسٹی آف یوٹا (U.of Utah) میں دو سائنس دانوں نے اعلان کیا کہ دنیا کی انرجی کی پرابلم کا حل انہوں نے تلاش کرلیا ہے؛ کیونکہ انہوں نے لیبارٹری کے اندر سورج کی انرجی کو ایک ٹیسٹ ٹیوب میں پیدا کرلیا ہے انہوں نے دعویٰ کیا کہ لیبارٹری کے اندر اپنے میز پر انہوں نے نیوکلیئر فیوژن پیدا کرلیا ہے، مزے کی بات یہ ہے کہ اس ایکس پیری منٹ کو کوئی اور سائنس دان کاپی نہ کرسکا فی الحقیقت یہ فراڈ تھا۔

روس کے چیرنوبیل ری ایکٹر کا حادثہ:

۲۶/اپریل ۱۹۸۶ء کو روس میں چیرنوبیل ری ایکٹر کا روح فرسا

حادثہ وقوع پذیر ہوا جس میں ہیروشیما اور ناگا ساگی کے حادثات سے سوگنا زیادہ ریڈی ایشن فضا میں پھیل گئی اس حادثہ سے ۴۳۰۰ افراد لقمہ اجل بن گئے اور ستر ہزار کے قریب ہمیشہ کے لئے معذور ہو گئے ریڈیشن کے بداثرات دنیا کے مختلف حصوں میں محسوس کئے گئے۔

کرۂ مریخ کی تفتیش:

ستمبر ۱۹۹۹ء میں کرہ مریخ کی طرف امریکہ کا بھیجا ہوا Mars Climate Orbiter اپنی منزل مقصود یا پھر اس کے قریب پہنچ کر تباہ ہو گیا اس پر ۱۲۵ ملین ڈالر لاگت آئی تھی، پھر دسمبر ۱۹۹۹ء میں ایک اور پروب پولر لینڈر بھی کہیں بسیط فضا میں گر کر تباہ ہو گیا اس کے ساتھ ریڈیو کنٹیکٹ بھی قائم نہ ہو سکا، سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ اس کی لینڈنگ لیگز میں سگنل وصول کرنیکی پرابلم پیدا اس لئے ہوئی کہ کمپیوٹر کوڈ میں ایک لائن مسنگ تھی۔

پینی سیلین کے نقصانات:

میڈیسن میں اینٹی بیاٹک کا استعمال بے دریغ کرنے سے اس کے نقصانات کا اندازہ اب ہو رہا ہے ۱۹۲۸ء میں جب پینی سیلین ایک کینیڈین ڈاکٹر نے ایجاد کی تو ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ دنیا میں اب شاید ہی کوئی ایسا بیکٹیریا رہ جائے جس کو یہ دوا ہمیشہ کے لئے نیست نابود نہ کرسکتی ہو، بیسویں صدی کے شروع میں انسان کی عمر ۴۷ سال تھی اب اکیسویں صدی کے شروع میں اوسط عمر ۷۶ سال ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان نے ٹی بی، ہیضہ جیسی موذی امراض پر قابو پا لیا ہے ڈاکٹروں نے بدقسمتی سے معمولی سے معمولی امراض کے لئے بھی اینٹی بیاٹک بہت زیادہ استعمال کئے (جیسے زکام) نیز انہوں نے مریضوں کو یہ نہ بتلایا کہ وہ دوائی کا مکمل کورس استعمال کریں، ورنہ اس کا اثر نہ ہوگا چنانچہ مریض جونہی ذرا آرام محسوس کرنے لگا اس نے فورا دوائی لینا بند کر دی اسکا انجام یہ ہوا کہ وہ بیکٹیریا جو ہلاک نہ ہوا تھا، اس نے mutate ہونا شروع کر دیا، چنانچہ اب اینٹی بیاٹک کی کئی اقسام بازار میں دستیاب ہیں مگر وہ موثر نہیں، اب بعض صورتوں میں تپ دق کے خلاف بعض ادویاء تو بالکل ہی کام نہیں کرتیں جب تک کہ ان میں مہلک ترین اینٹی بیاٹک نہ شامل کی جائے۔

چیزیں جو آئندہ بیس سال میں پرانی ہو جائیں گی:

اس وقت ہر اٹھارہ ماہ بعد کمپیوٹر کی اسپیڈ دوگنی ہو جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ Integrated circuits سائز میں چھوٹے سے چھوٹے ہو تے جا رہے ہیں آئندہ بیس سال میں پینٹیم پرسنل کمپیوٹر کے چپ کا سائز 1/10000 حصہ ہو جائیگا اور اسکی پروسیسنگ پاور دس ہزار گنا بڑھ جائیگی، کمپیوٹر کے ساتھ ساتھ جینیٹک انجینئرنگ میں بہت زیادہ ترقی ہو گی، جو چیزیں آئندہ بیس سالوں میں پرانی ہو جائیگی ان کی فہرست درج ذیل ہے:

۱- وی سی آر، ڈی وی ڈی، سی ڈی اور کیسٹ ٹیپ ختم ہو جائیں گے، ان کی جگہ ایم پی تھری MP3 ٹائپ کی سٹوریج ڈیوائسز جو 128 MB سے دس ہزار گنا زیادہ انفارمیشن اسٹور کرسکیں گی، اس کے ساتھ ساتھ مووی کیمرہ اور پروجیکٹرز بھی ختم ہو جائیں گے۔

۲- انسان قانونی کاغذات پر دستخط نہیں کریں گے اس کی جگہ آنکھ کے IRIS اور آواز کی پہچان voice recognition system لے لیں گے۔

۳- موسیقی کے آرکیسٹراز کی بجائے کمپیوٹرز سے سن تھے سائز کیا ہوا میوزک موشن پکچرز میں استعمال کیا جائے گا۔

۴- براڈکاسٹنگ کمپنیاں اس بات کا پتہ لگا لیں گی کہ کون سے پروگرام آپ کے من پسند ہیں، نیز ریموٹ کنٹرول کو آپ نے کتنی بار استعمال کیا اس سے پتہ لگا لیں گے، چنانچہ نیلسن ریٹنگ امریکہ میں ختم ہو جائیگی۔

۵- انالاگ ٹیلی ویژن اور ریڈیوز اور جملہ مشینیں جو انالاگ طریق سے کام کرتی ہیں وہ ختم ہو جائیں گی۔

۶- آپ موویز رینٹ کرنے کے لئے سٹور میں نہیں جائیں گے نہ آپ کو کمپیوٹر سافٹ ویئر اسٹور سے خریدنا ہوگا یہ سب براڈ بینڈ کنکشنز

(ہائی سپیڈ انٹرنیٹ) پر دستیاب ہوں گے۔

۷-ایسے لوگ آپ کو بہت کم نظر آئیں گے جن کے ہاتھ میں سیل فون ہوگا ایسے سیل فون رسٹ واچز کے اندر ہوں گے یا وہ کان پر رکھے جاسکیں گے۔

۸-گلوبل پوزیشننگ سسٹم GPS بہت عام ہو جائیں گے، یہ بھی رسٹ واچز کے اندر نصب ہوں گے جس سے کسی کا گھر یا دفتر تلاش کرنا بہت آسان ہو جائیگا۔

۹- جنک میل ختم ہو جائیگی لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ کر پوسٹیج اسٹیمپ بنا سکیں گے۔

۱۰-فلموں میں سٹنٹ ڈبل جو کام کرتے ہیں ان کی جگہ کمپیوٹر اینی میشن والے ایکٹر کام کیا کریں گے۔

۱۱-ہیموفیلیا بیماری کے لئے جو دوا عطیہ کئے ہوئے خون سے بنائی جاتی ہے وہ مستقبل میں جسم کے اندر جینیاتی طور پر ماڈی فائیڈ سیلز سے بنائی جاسکے گی۔

۱۲-گنجا پن دور کرنے کے لئے جو علاج اس وقت موجود ہیں ان کی جگہ ڈیر مالوجسٹ ایسا scalp tissue ایجاد کرلیں گے، جس میں بال خود بخود اُگ آئیں گے، بالوں کے رنگ کرنے کے فارمولے جیسے Nice & Easy بھی ختم ہو جائیں گے؛ کیونکہ جین تھیراپی سے عمر رسیدہ لوگوں کی کھوپڑیوں میں elanin pigment دوبارہ پیدا ہونا شروع ہو جائیگا، جن سے بال سفید نہ ہوں گے۔

۱۳-امریکہ میں ہر سال چھ لاکھ ہارٹ بائی پاس آپریشن ہوتے ہیں، آئندہ کارڈیالوجسٹ خون کی رگیں فوت شدہ لوگوں کے جسموں سے رگوں کو نکال کر زندہ لوگوں میں لگا دیا کریں گے۔

۱۴-ذیابیطس کے مریضوں کو انجکشن لگانا ضروری نہ ہوگا، ڈاکٹر pancreas کے اندر صحت مند سیلز امپلانٹ کر دیا کریں گے، ہیومن کلوننگ عام ہو جائیگی، ایک ہی قسم کے نظر آنیوالے بچے پیدا کرنا ممکن ہو جائیگا۔

۱۵-آرگن ٹرانس پلانٹ کی بجائے ڈاکٹر مریض کے اپنے ٹیشو سے نئے آرگن پیدا کرلیا کریں گے۔

۱۶-کینسر کے علاج کے لئے کیموتھراپی ضروری نہ ہوگی اس کے جگہ جین تھراپی سے علاج کیا جائیگا۔

۱۷-آجکل کاریں انٹرنل کیمب سچن والے انجن سے چلتی ہیں اس کی جگہ الیکٹرک موٹر والی کاریں بن جائیں گی، جو بیٹری سے چلیں گی، کیلی فورنیا کی ریاست میں اس وقت ایسی کاریں لوگ چلا رہے ہیں جن کی بیٹری کو ہر اسی میل بعد گیس اسٹیشن پر ریچارج کرلیا جاتا ہے، پیٹرول کے بغیر چلنے والی کاریں ہمارے ماحول کے لئے اچھی ہیں۔

۱۸- پلاسٹک کے بنے برتنوں کی بجائے اب برتن biopolymers کے میٹریل سے بنے ہوں گے جو کہ کارن سٹارچ سے بنایا جاتا ہے۔

۱۹- نابینا لوگ دیکھنے لگیں گے ان کی آنکھوں میں ایسا ٹی وی لگا دیا جائیگا جو آنکھ کے سائز کا ہوگا جو کیمروں کے ذریعہ معلومات دماغ کو منتقل کریگا، اس سیٹ کو عضلات میں نصب کیا جائیگا۔

۲۰- چھ سال پہلے ایک جاپانی کمپنی نے کلائی والا کیمرہ متعارف کرایا تھا جس میں ایک میگا بائٹ میموری تھی، یہ کیمرہ ایک سو سے زیادہ تصاویر ریکارڈ کرنیکی صلاحیت رکھتا تھا اس رسٹ واچ ڈے جیٹل کیمرہ کو J1-WQV کا نام دیا گیا تھا، اب ڈی جیٹل کیمرہ اس قدر عام ہو گیا ہے کہ ہر شخص اٹھائے پھرتا ہے اور تصاویر بھی زیادہ سے زیادہ استوار کی جاسکتی ہیں۔

وہ چیزیں جو آئندہ بیس سالوں میں نہیں بد لیں گی:

مکانوں کا طرز تعمیر، پنسل، کتابیں، کیش، کھانے کے برتن، پیسینجر جیٹ، ہوائی جہاز، ڈرائیونگ، ٹریفک کن جیشن، شوز، مذہب، بیس بال کا کھیل، زیپرز، غربت، شاپنگ، پیپر کلپ، مردوں کے سوٹ، تشدد۔

بائیو کراپس:

سائنسدان اس وقت کپاس، آلو، ٹماٹر کی ایسی قسمیں بنانے میں مصروف ہیں جن پر مختلف موسموں جیسے سردی گرمی کا کوئی اثر نہیں ہوگا اس ضمن میں مکئی کی ایک نئی قسم ایجاد ہوگئی ہے مگر اس کے خلاف یوروپ میں بہت برا ردعمل ہوا ہے، یوروپ کے باشندے genetically altered food کے بہت خلاف ہیں؛ کیونکہ ان کے استعمال سے جو بیماریاں پیدا ہوں گی ان کا کسی کو کوئی علم نہیں۔

اب سائنسدان ایسی چیونگ گم بنا رہے ہیں جس کا نام پرپیچوا Perpetua ہوگا اس کا فارمولا ٹاپ سکریٹ ہے یہ شوگر، پیپرمنٹ اور لےٹیکس ربر کے جینیٹک کوڈ سے تیار کی جارہی ہے۔

کیچ اے کارپ Katch a Karp مچھلی کی ایک نئی قسم ہوگی جس کے اندر سے سرخ لائٹ خارج ہوگی جیسی پولیس کار کے اوپر لگی ہوتی ہے، چنانچہ پانی کے اندر ۱۰۰/فٹ کے فاصلہ سے یہ نظر آجائیگی، ایسی مچھلیاں صرف کارپ اور کیٹ فش کی اقسام کی ہونگی۔

چودہ نئی ایجادات،نئی قسم کے کان کیکٹ لینز:

وہ دن دور نہیں جب اکیسویں صدی میں لوگ ایسے کن کیکٹ لینز استعمال کرنا شروع کردیں گے، جو انسان کی آنکھ کے اندر نصب کئے جاسکیں گے، ایسے کن ٹکٹ لینز امریکہ کی ایک فاماسوٹیکل کمپنی نے ایجاد کئے ہیں مگر ان کو مارکیٹ میں آنے میں ابھی مزید وقت درکار ہوگا، ان کا اولین مقصد دور کی خراب نظر کو ٹھیک کرنا ہوگا، اس طریق علاج میں کن کیکٹ لینز پتلی کے بیرونی پردہ کے اوپر یا آنکھ کے دوسرے متاثرہ حصوں کے اوپر نصب کردیا جائیگا۔

مارکیٹ میں اس وقت Kera Vision کمپنی کے بنائے ہوئے لینز INTACS کے برانڈ نیم سے دستیاب ہیں ان کو پتلی کے پردے کے اوپر رکھا جاتا ہے تو ان کے وزن سے پتلی فلیٹ ہو جاتی ہے جس سے دور کی خراب نظر کے علاج میں مدد ملتی ہے۔

امریکہ کی ایک اور کمپنی OPTHECS نے ایسے کنٹیکٹ لینز ایجاد کئے ہیں جن سے دونوں امراض یعنی قریب دیکھنے اور دور دیکھنے کا تسلی بخش علاج کیا جا سکے گا، اس صورت میں ڈاکٹر آنکھ کی سائڈ میں ایک ملی میٹر کے سائز کا تراش کرتا ہے اور اس کے اندر کن کیکٹ لینز کو IRIS آنکھ کی پتلی کی جھلی کے اوپر رکھ دیتا ہے، اس قسم کے لینز امریکہ میں سن ۲۰۰۲ء سے کھلے عام دستیاب ہیں۔

تھری ڈی۔ ٹیلی ویژن:

آجکل امریکہ میں ہائی ڈیفی نیشن ٹیلی ویژن کا خوب چرچا ہے مگر وہ دن دور نہیں جب ٹیلی ویژن کی اسکرین کی جگہ ہم کمرہ کے اندر فضا میں تھری ڈی ھالوگرافک امیجز دیکھا کریں گے، بوسٹن کے شہرہ آفاق انسٹی ٹیوٹ ایم آئی ٹی MIT کی مشہور زمانہ میڈیا لیب میں پروفیسر بینٹن Benton ایسے تجربات میں مصروف ہیں، جس کا مقصد تھری ڈی، ہالوگرافک ویڈیو امیجری پیدا کرنا ہے جو کہ ہالی وڈ میں بننے والی فلموں میں اور جاپان کی بعض ریسرچ لیباٹریز میں استعمال ہورہی ہے، یاد رہے کہ ہالوگرافک امیجز اس وقت بعض مما لک کی کرنسیوں اور کریڈٹ کارڈز پر استعمال کئے جاتے ہیں، سات سال پہلے راقم الحروف نے ہالی وڈ (لاس اینجلس) کی سیر کے دوران ایک ڈاکومنٹری فلم دیکھی جس میں ہالوگرافک امیجز استعمال کئے گئے تھے ایسے لگتا تھا کہ فلم میں ایکشن انسان کی آنکھوں کے عین سامنے ہو رہا ہے جس سے فیکٹ اور فکشن میں فرق کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اس کو بیان کرنا ناممکن ہے ذاتی تجربہ سے ہی اس کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔

امریکہ اور کینیڈا میں بچوں کو تشدد، عریانی اور فحش پروگراموں سے محفوظ رکھنے کیلئے اب ٹیلی ویژن میں ایک وی، چپ V-CHIP لگایا جارہا ہے جس کے استعمال سے اگر پروگرام کی ریٹنگ ہائی ہوتو سکرین سیاہ ہو جاتی ہے، یہ چپ وینکور (کینیڈا) کی سائمن فریزر یونیورسٹی کے پروفیسر T. Collins نے ایجاد کیا ہے۔

سمارٹ سنیکرز:

امریکہ میں کھلنے والے جوتے بنانے والی کمپنیاں ایسے سنیکرز بنا

رہی ہیں جن کے استعمال سے باسکٹ بال جیسی کھیلوں کے کھلاڑیوں کو چوٹیں کم لگا کریں گے، نائیک ائیر Nike-Air کے ہیڈ کوارٹرز بیورٹن، آریگان، امریکہ میں ایسے جوتے بنائے جارہے ہیں جن سے گھٹنوں پر چوٹ کم آیا کریگی؛ بلکہ سائنس داں مائیکروچپ ٹیکنالوجی کو بھی ایسے جدید جوتوں میں استعمال کریں گے جس کے مطابق شوز پہننے والے کو کھلاڑی کے دوڑنے کی رفتار اور جتنا فاصلہ اس نے طے کیا وہ ایک نائیک کمپنی کی بنائی ہوئی گھڑی میں ڈسپلے ہو سکے گا، ایک اور کمپنی ریباک Reebok's یہ ڈیٹا بجائے گھڑی کے انٹرنیٹ کے ذریعہ ایسے کھلاڑی کے کوچ کے پرسنل کمپیوٹر پر ڈسپلے کرے گی۔

الیکٹرک کار کیلئے بیٹری:

جیسا کہ اس مضمون میں پہلے ذکر کیا گیا کہ کیلی فورنیا کی ریاست میں لوگ ایسی کاریں اب چلا رہے ہیں جن کو الیکٹرک کار کہا جاتا ہے یہ کاریں بجائے پیٹرول کے بیٹری سے پاور حاصل کرتی ہیں ایسی بیٹری اسی میل تک جانے کے لئے کافی ہوتی ہے اس کے بعد کار کو ہائی وے پر خاص گیس اسٹیشن پر ری چارج کرلیا جاتا ہے۔

امریکہ کی ایک میگا کمپنی تھری ایم 3M نے کیمیکل ریسرچرز اور آٹو موٹو انجینئروں نے ایسی بیٹری تیار کی ہے جس کے سیلز کافی دیر تک کام کرتے اور یہ وزن میں کافی ہلکی ہے، ایسی بیٹری سے کار ایک سو پچاس میل تک ایک چارج میں سفر کرسکتی ہے، اس نئی بیٹری کا نام Lithium Polymer Battery ہے اور اس کی ایجاد میں ۸۸ ملین امریکن ڈالر خرچ آیا ہے۔

یہ بیٹری مستقبل میں بننے والی مشینوں میں استعمال ہوگی جن میں کمپیکٹ لائیٹ ویٹ بیٹری کی ضرورت ہوگی جیسے میڈیکل، الیکٹرانک، ایروسپیس وغیرہ مگر اس کا سب سے زیادہ استعمال الیکٹرک کار میں ہوگا جس سے فضائی آلودگی میں بہت کمی ہوگی، نیز اس سے شور بھی کم ہوگا ابھی تک جو بیٹریاں ایجاد ہوئی ہیں وہ سائز میں کافی بڑی ہیں اور ان کے لئے انجن کے اندر جگہ بنانا بھی مشکل امر ہے، اس کو ماس مارکیٹ کرنے کے لئے بیٹری کا چھوٹا ہونا بہت ضروری ہے، یاد رہے کہ کرۂ زمین پر لیتھیم Lithium سب سے ہلکی دھات ہے، تھری ایم کمپنی میں انجینئرز ایسی بیٹری بنانے میں پچھلے چھ سال سے ریسرچ کا کام کررہے ہیں، پھر اس کے بعد روڈ ٹیسٹنگ ہوگی جس میں کچھ اور عرصہ لگے گا، جس طرح آجکل کاروں میں ائیر بیگ اور اینٹی لاک بریک سسٹم کاروں میں لگانے میں کافی وقت لگا، اسی طرح ہر کار میں ایسی بیٹری لگانے میں شاید دس سال لگ جائیں گے۔

الٹراسانک فری کوئینسی کلینرز:

۱۹۷۰ء کی دہائی میں کن کارڈ جہاز کی سانک بوم سے گھر کی کھڑکیوں میں ہل چل مچ جایا کرتی تھی، اس سے سائنس دانوں کو یہ آئیڈیا ملا کہ ساؤنڈ ویو سے چیزوں کو صاف بھی کیا جاسکتا ہے، چنانچہ انجینئروں نے ایسی مشینیں بنالیں جن سے جہازوں کے پارٹس، زیورات بلکہ دانتوں کو بھی الٹراسانک فری کوئنسی سے صاف کیا جاسکتا ہے، الٹراسانک ساؤنڈ کی فری کوئینسی اس قدر اونچی ہوتی ہے کہ انسان کے کان اس کو سن نہیں سکتے۔

اس جدید سائنس (الٹراسانک کلینگ) کو اب سائنسداں گھر میں کپڑے صاف کرنے، برتن صاف کرنے میں استعمال کریں گے، جن سے واشنگ مشین، ڈش ڈی ٹرجنٹ اور پانی کی ضرورت گھر میں کم ہو جائیگی، لوگ پانی کے بغیر کپڑے اور برتن دھولیں گے، عنقریب لوگ سانک ڈش واشر استعمال کریں گے، جس میں صابن کی ضرورت نہیں ہوگی، اس ضمن میں سب سے زیادہ ریسرچ امریکہ کے شہر پوسٹ ڈیم Postdam میں واقع کلارکسن یونیورسٹی میں ہورہی ہے، سانک وائے بریشن سے برتنوں پر سے گندگی اور فوڈ کو اتارا جاسکے گا، یوں گھروں میں واٹرلیس ڈش واشر استعمال ہونا شروع ہوجائیں گے۔

ایک جرمن کمپنی Fraunhofer Gesellshaft کے انجینئرز اس وقت الٹراسانک ٹیکنالوجی کو ڈرائی کلینگ مشینوں میں استعمال کرنے پر پورے زور وشور اور مستعدی سے مصروف کار ہیں، جن میں پانی کی

تھوڑی بہت ضرورت ہوگی؛ کیونکہ پانی کی وجہ سے ساؤنڈ ویو کا امپیکٹ ایک ہزار گنا زیادہ ہوجاتا ہے، قرین قیاس ہے کہ اگر الٹرا سانک کلینگ کا صحیح استعمال صرف امریکہ جیسے وسیع ملک کے ہر گھر میں شروع ہو جائے تو اس سے صرف پانی اور انرجی کے کم استعمال سے دس ملین ڈالر کی بچت ہوگی، کلارک سن یونیورسٹی کے ایک ریسرچر احمد بوسنینا Ahmed Busnaina کا کہنا ہے کہ مکمل پانی کے بغیر صفائی میں ابھی دس بیس سال کا عرصہ درکار ہوگا۔

ٹی وہ چینل:

امریکہ میں ایک کمپنی نے وی سی آر کی طرح کی ایک مشین ایجاد کی ہے، جس کا نام ٹی وہ چینل ہے، یہ ٹیلی ویژن کے اوپر رکھا جائیگا اور پھر اس کو پروگرام کرنے کے بعد اس ٹیلی ویژن پر کمرشل نہیں آئیں گے، اس مشین کے اندر کمپیوٹر کی طرح کی ہارڈ ڈسک ہوگی، جس میں ساٹھ گھنٹے تک کے ٹیلی ویژن پروگرام ٹیپ کئے جاسکیں گے، اگر آپ مصروفیت کی وجہ سے ٹی وی پر آنیوالے پروگرامز کو نہیں دیکھ سکتے اور بعد میں فرصت ملنے پر دیکھیں گے، تو یہ مشین نہایت کارآمد ہوگی، اس کی قیمت اس وقت چار سو امریکن ڈالر ہے اور امید ہے کہ اگلے پانچ سالوں میں امریکہ کے ہر گھر میں یہ مشین ہوگی۔

الیکٹرانک انک:

بوسٹن میں شہرہ آفاق میساچوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (ایم آئی ٹی) کے پروفیسر Jacobson نے اس بات کا اظہار خیال کیا ہے کہ مستقبل میں اخبارات اور رسائل ای انک E-Ink سے شائع کئے جائیں گے، جن کو الیکٹرانک سوچ کے آن آف کرنے سے ری پرنٹ یا ایک صفحہ کو صاف کیا جاسکے گا، پروفیسر جیکب سن ای انک کمپنی کے مالک ہیں، اس کمپنی نے مشہور زمانہ ڈیپارٹمنٹ سٹور J.C. Penny کیلئے الیکٹرانک پوسٹر شائع کئے ہیں، جن میں ای انک کا طریقہ کار استعمال میں لایا گیا ہے۔

پروفیسر جیکب سن کا کہنا ہے کہ مستقبل میں الیکٹرانک بکس اور نیوز پیپر اسی طرح شائع ہوں گے جن میں کمپیوٹر، مانیٹرز اور ہارڈ ڈرائیو پر انفارمیشن سٹور کرنیکی ضرورت نہیں ہوگی، ای بک میں اس کی اسپائن پر بٹن ہوں گے، بٹن دبائیں تو کتاب، وار اینڈ پیس شائع ہوکر سامنے آجائیگی، اس پر خاص قسم کی کوٹنگ ہوگی جو مائیکروسکوپک کیپسول سے بنی ہوگی جن میں ڈارک پگ منٹ وائیٹ پارٹیکل اور الیکٹران ہوں گے، جب منفی الیکٹریکل چارج دیا جائیگا تو ڈارک پگ منٹ روشنی ملنے پر ٹیکسٹ میں نظر آنے لگے گا، مثبت چارج دیا جائیگا تو کوٹنگ دوبارہ سفید صفحہ میں تبدیل ہوجائیگی اور یہ خالی صفحہ ای پیج ہوگا، پروفیسر جیکب سن نے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ ای انک کا پروٹوٹائپ دو یا تین سال میں تیار ہوجائے گا۔

ایکس ریے ویژن:

یونیورسٹی آف ساآتھرن کیلی فورنیا، لاس اینجلز کے پروفیسر رابرٹ شولٹز Scholtz اور اس کے گریجویٹ سٹوڈنٹ یونیورسٹی کی ایک لیبارٹری میں ایکس رے ویژن پر تجربات کررہے ہیں، یہ ایک تاریخ ساز کام ہے جس کی اہمیت سے کم لوگ واقف ہیں۔

اس جدید ٹیکنالوجی کا نام ریڈار ٹیکنالوجی یا پلس ٹیکنالوجی Pulse Technology بھی ہے جس پر ۱۹۷۶ء سے ریسرچ کا کام ہورہا ہے اس کے موجد لیری فولرٹن نے اس کا پیٹنٹ ۱۹۸۷ میں حاصل کیا تھا اس ٹیکنالوجی کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ پولیس کے محکمہ کے لوگ اب دروازے کے اس پار دوسری طرف گھر کے اندر چیزوں کو باآسانی دیکھ سکیں گے تاکہ مشتبہ لوگوں کو آسانی سے گرفتار کیا جاسکے، یا پھر سپاہی زمین کے اندر دیکھ سکیں گے جہاں لینڈ مائن دفنائی گئی ہو اس کے علاوہ زلزلہ کی صورت میں عمارتوں کے ملبہ کے اندر پتھروں، اینٹوں اور کنکروں کے نیچے زخمی لوگ تلاش کئے جاسکیں گے اور لوگوں کی جانیں بچائی جاسکیں گی۔

اس کا نام ریڈار ویژن بھی ہے؛ کیونکہ ریڈار کے ذریعہ دیوار کے اندر سے اس پار دوسری طرف موجود چیزوں یا انسانوں کو دیکھا جاسکے گا

ابھی تو چیزوں کو بارگراف کی صورت میں دیکھا جاتا ہے مگر مستقبل میں چیزوں کو امیج کی صورت میں کمپیوٹر سکرین پر بھی دیکھا جاسکے گا۔

اسمارٹ ھوم اور روباٹ:

مشہور زمانہ جاپانی کمپنی سونی SONY نے ایک ایسا روباٹ ایجاد کیا ہے جس کا نام AIBO ہے یعنی اس کا پورا نام ہے Artificial Intelligence and Robot یہ روباٹ سمارٹ ہوم کے آئیڈیا کی جانب پہلا قدم ہے، اسمارٹ ہوم میں آٹومیشن کی حکمرانی ہوگی یعنی ہر چیز انسانی مداخلت کے بغیر خود بخود سرانجام پائیگی جیسے گروسری آرڈر کرنا، گندی پلیٹوں کی نشاندہی کرنا، رات کو گھر میں بجلی کی لائیٹ آن کرنا حتی کہ سہ پہر کے وقت کتے کو سیر کرانے بھی اس کو روباٹ لے کر جائیگا، IBO روباٹ کے اندر اتنی کمپیوٹر میموری موجود ہوگی کہ یہ ایک منٹ میں اٹھارہ فٹ کے فاصلہ تک جاسکتا ہے، سونی کمپنی کے انجینئرز نے اس کو اس طرح پروگرام کیا ہے کہ یہ گھر کے اندر گیمز کھیلنے کے علاوہ شرارتیں بھی کرتا ہے، فی الحال انٹرنیٹ کے ذریعہ فروخت کے لئے پانچ ہزار کی تعداد روباٹ بنائے گئے ہیں اور ان کی قیمت 2500$ امریکن ڈالر ہے، گھر میں ہر وہ شخص جو کمپیوٹر کا استعمال جانتا ہے وہ اس پروگرام کو کرسکتا ہے، مستقبل قریب میں ایسے روباٹ بن جائیں گے جو آواز پہچاننے کی اہلیت رکھتے ہوں گے۔

والک مین جیسا پرسنل کمپیوٹر:

انٹرنیشنل بزنس مشین (آئی بی ایم) کمپنی ایسا پرسنل کمپیوٹر تیار کررہی ہے جو والک مین کے سائز کا ہوگا اور جو انسان کی بیلٹ میں لگایا جاسکے گا یعنی یہ وزن میں بہت ہلکا ہوگا اور اسکی قیمت شروع میں دو ہزار پانچ سو ڈالر ہوگی جوں جوں یہ والک مین کی طرح مقبول عام ہوتے جائیں گے، ان کی قیمت گرتی جائیگی، اس کمپیوٹر کا ماؤس پنسل پر لگے ربر کے سائز کا ہوگا اس کا مانیٹر پین پر لگی کیپ کے سائز کا ہوگا جو آنکھ سے ایک انچ کے فاصلہ پر ہوگا، مگر انسان کو ایسے محسوس ہوگا جیسے کہ وہ چودہ انچ کا مانیٹر ہے، یہ پرسنل کمپیوٹر ڈیسک ٹاپ سے مل کر بھی کام کرے گا اس کے ساتھ کی بورڈ بھی لگایا جاسکے گا، مگر اس کی بجائے اس کے اندر آواز پہچاننے والا سافٹ ویئر شامل ہوگا، جس کی وجہ سے کی بورڈ کی ضرورت نہ ہوگی، ۱۹۹۴ میں سائبرناٹ کمپنی نے امریکن ملٹری کو ایسے بیس ہزار کمپیوٹر فروخت کئے جن سے فیلڈ میں ٹینک مرمت کئے جاتے ہیں، اس کمپنی کے ایسے پی سی کی قیمت خرید پانچ ہزار ڈالر ہے۔

آنکھ میں کمپیوٹر کی تنصیب:

امریکہ کی جان ہاپ کنز یونیورسٹی کے سائنس دانوں نے بصارت کی بحالی کا جو نیا نظام ایجاد کیا ہے اس سے پندرہ مریضوں کی بینائی بحال کی جاچکی ہے، اس نظام کے تحت آنکھ کے اندر پردہ چشم پر کمپیوٹر چپ لگایا جائے گا، چشمہ پر نصب وڈیو کیمرہ نصب ہے جو مناظر کو دیکھ کر اینٹینا کے ذریعہ ریڈیائی لہروں کی شکل میں چپ تک پہچا دیتا ہے چپ برقیاتی سگنل جاری کرتا ہے جو بصری اعصاب سے گزر کر دماغ تک پہنچتے ہیں اور دماغ انہیں پہچان لیتا ہے

چپ کے اوپر نصب کیمرہ:

بیسویں صدی کا ایک محیر العقول کارنامہ چیزوں کو چھوٹے سے چھوٹا بنانا miniaturization تھا، ٹیپ، کیسٹ، پلیئر جو خود کیسٹ سے بڑے نہ تھے، ناخن کے برابر کا سیل فون، ویب سرفر، سٹاک پرائس چیکر، سپورٹس اسکور چیکر ہاتھ کے سائز کا پالم کمپیوٹر Palm Vx Computer وغیرہ جس پر ای میل، خبریں اور پرسنل ڈیٹا دیکھا جاسکتا ہے، وڈیو کیمرہ جو ایک چپ کے اوپر نصب ہوگا، اس کے ذریعہ کار کے بلائنڈ اسپاٹ کا پتہ لگایا جاسکے گا، یا وڈیو کانفرنس کے دوران اس کو وڈیو ٹرمینل کے اوپر رکھ دیں، یا بچہ کی چارپائی CRIB کے اوپر اسکو لگادیں تاکہ نیند کے دوران اس کا خیال رکھا جائے یا گھر کے اندر ان کو جگہ جگہ لگادیں اور یہ سیکورٹی کا کام کریگا، اس کیمرہ میں کوئی فلم نہ ہوگی چپ کیمرہ کا سائز امریکی سکہ ۲۵ سینٹ کے برابر ہوگا، اس کو بیٹری سے پاور کیا جائیگا اس کا پروٹو ٹائپ نیوجرسی میں واقع کمپنی لوسینٹ ٹیکنالوجیز کی بیل لیب میں تیار ہوا ہے، اس کیمرہ سے لئے گئے امیجز کو پرسنل

کمپیوٹر پر ڈاؤن لوڈ کیا جا سکے گا۔

جانوروں کے اعضاء انسانوں میں:

جانوروں کے اعضاء کو انسانوں میں استعمال کرنے کی سائنس میں بہت ترقی ہو رہی ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انسانی اعضاء کو ضرورت اس وقت بہت زیادہ ہے، ہسپتالوں میں اس قدر مریض ویٹنگ لسٹ پر ہیں کہ ان کے لئے مزید انتظار بہت مشکل ہوتا جا رہا ہے، اس چیز کے مدنظر سائنسداں ایسے جانور پیدا کرنے میں مصروف ہیں، جن کا واحد مقصد اعضاء پیدا کرنا ہو گا، اس سائنس کا نام xeno-transplantation ہے۔

سائنسدانوں نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے بڑھاپے کو روکنے کا طریقہ دریافت کر لیا ہے بتایا گیا ہے کہ ایک خوردبینی جانور کو بعض ادویات دی گئیں تو وہ اپنی نارمل عمر سے پچاس فی صد زندہ رہا امید کی جاتی ہے کہ اس طرح انسانوں کی عمر بھی بڑھائی جانے کے امکانات ہیں، اسی طرح سائنسدانوں نے دل کے مریضوں میں خون کا بہاؤ تیز کرنے کا طریقہ بھی دریافت کر لیا ہے اس طریقے کے مطابق ایک جین نظام دوران خون میں داخل کیا جائیگا، جو دل کے متاثرہ یا مردہ پٹھوں میں نشو ونما بڑھائے گا، ایک تجربہ دیکھنے میں آیا کہ اس جین نے خون کی متاثرہ نالیوں میں نشو ونما کو بڑھا دیا ہے۔

انسانی جین نوم کو ڈی کوڈ کرنے کا کام اگر چہ بیسویں صدی میں سر انجام پایا، مگر اب اس صدی میں انسانی ڈی این اے میں جین کے کوڈ کو انالائیز کرنے سے نئی ادویہ کی تیاری، ان کے بہتر اثرات کو جانچنے، اور موت سے بچنے کے امکانات پہلے سے زیادہ روشن ہو گئے ہیں اس دریافت کو سائنسداں انسان کے چاند پر اترنے اور پینسلین کی دریافت کے برابر کارنامہ قرار دے رہے ہیں، امید کی جاتی ہے کہ اس نئی سائنس کے نتیجہ میں درجنوں بیماریوں کی تشخیص اور ان کے مؤثر علاج کے دروازے کھل جائیں گے اور سرطان جیسے موذی مرض کا علاج ممکن ہو جائیگا، دس سال قبل سائنسداں کہتے تھے کہ انسانی جسم میں ایک لاکھ کے قریب جینز ہوتے ہیں مگر اب جدید تحقیق کے مطابق ان جینز کی تعداد تیس ہزار ہے انسانی خلیوں کو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے دیگر جانوروں کے جینٹک کوڈ کے ساتھ تقابل بھی لازمی ہے۔

ہائی وے گائیڈ:

وہ دن دور نہیں جب امریکہ میں ہائی ویز پر کاریں ڈرائیور کی مدد کے بغیر سفر کر رہی ہوں گی، جیسے ہوائی جہاز کو ایمرجنسی میں آٹو پائیلٹ سے اڑایا جاتا ہے، کہنے کو تو یہ سائنس فکشن لگتا ہے، مگر تھری ایم 3M کمپنی والوں نے فی الحال magnetic road tape اور کار سینسر سسٹم ایجاد کیا ہے، جس سے نیند میں اونگھنے والے ڈرائیوروں کو حادثہ سے بچایا جا سکے گا، میگنیٹک روڈ ٹیپ سڑک کے اوپر چسپاں کیا جاتا ہے، کار میں موجود سینسر اور ڈسپلے سکرین سے ڈرائیور کو پتہ لگ جائیگا کہ وہ سڑک سے نیچے جانے لگا ہے، غلطی کی صورت میں اسٹیرنگ وہیل یا بریک پیڈل شدت سے ہلنا شروع کر دیگا، اس قسم کا ٹیپ کیلی فورنیا کی بعض ہائی ویز پر اس وقت استعمال کیا جا رہا ہے، اٹلی اور سوئٹزرلینڈ میں یہ ٹیپ ٹرین اسٹیشنوں پر زیر استعمال ہے، جہاں نابینا لوگ پلیٹ فارم اور بلڈنگوں کے اندر خاص قسم کی چھڑی کے استعمال سے راستہ تلاش کر لیتے ہیں۔

امریکہ میں کاریں چوری بہت ہوتی ہیں اس چیز کے سد باب کیلئے گلوبل پوزیشننگ سسٹم GPS کو استعمال میں لایا جا رہا ہے، کار کے اندر ایک آلہ لگا یا دیا جاتا ہے جس کے اندر خفیہ کوڈ ہوتا ہے جی پی ایس کی مدد سے کار چوری ہونے پر یہ کوڈ ایکٹی ویٹ کر دیا جاتا ہے اور جہاں کار موجود ہوتی ہے اس کا نقشہ یا گھر کا ایڈریس ٹیکساس میں موجود کمپنی کے ہیڈ کوارٹرز میں کمپیوٹر سکرین پر آ جاتا ہے وہاں سے وہ لوگ شہر کی پولیس کو کار کی لوکیشن بتلا دیتے ہیں اور چوری شدہ کار تلاش کر لی جاتی ہے، ایسا ہی ایک واقعہ کنگسٹن شہر میں ہوا اور پولیس نے کار دو گھنٹے میں تلاش کر لی۔

//////☆☆☆☆//////

تجزیہ

مسلمانوں کے درمیان بڑھتے ہوئے مسلکی ونسلی اختلافات

مولانا اسرارالحق قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، دہلی

موجودہ دور میں ملت اسلامیہ کے گرد اسلام دشمن طاقتوں کے تنگ ہوتے محاصرے اور بڑھتی سازشوں پر گہری نظر ڈالنے کے بعد یہ بات بڑی حد تک واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام مخالف طاقتوں کو مسلم مخالف سرگرمیاں جاری رکھنے اور ملت اسلامیہ کو چہار جانب سے گھیرنے میں بڑی حد تک کامیابی مل رہی ہے، گویا یہاں بنیادی طور پر دو سوالات قائم ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ وہ طاقتیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہیں وہ کیوں مسلمانوں کی جان وایمان اور ان کی تہذیب وفکر کو برباد کرنے پر تلی ہوئی ہیں، دوسرا سوال یہ قائم ہوتا ہے کہ انہیں اپنے ارادوں ومنصوبوں میں کامیابی کیونکر حاصل ہورہی ہے، اور اس کے اسباب کیا ہیں؟۔

جہاں تک اسلام دشمنی کی بات ہے تو یہ مبنی برحقیقت ہے کہ ابتدائے اسلام سے ہی بعض جماعتیں وقومیں کسی بھی حال میں اسلام اور مسلمانوں کے وجود کو مٹانے پر کمربستہ رہی ہیں، اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ بعض قوموں وجماعتوں کو اسلام سے بے وجہ کا بغض وعناد ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ نہ صرف اسلام کی حقانیت سے واقف ہونے کے باوجود اس کی صداقت کا انکار کرتی ہیں بلکہ اس کے خلاف صف آراء بھی رہتی ہیں، دوسری وجہ اسلام دشمنی کی یہ ہے کہ اسلام کے فروغ سے انہیں اپنے مفادات خطرے میں پڑتے نظر آتے ہیں، حق وباطل کا یہ معرکہ صدیوں سے جاری ہے اور نہ جانے کب تک جاری رہے گا؛ لیکن یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ آخر اس معرکہ میں حق پرست مغلوب کیوں ہورہے ہیں اور باطل نظریات پر مبنی طاقتیں غالب کیوں ہوتی جارہی ہیں، جن لوگوں کے ہاتھوں میں قوموں کی امامت ہونی چاہئے وہ دوسروں کے رحم وکرم پر کیوں ہیں؟ کیا اسلام سے بغض وعناد رکھنے والی قوموں وجماعتوں کے پاس زیادہ منظم وجامع پالیسیاں ہیں؟ کیا یہ لوگ فکر وعقل کے لحاظ سے مسلمانوں سے زیادہ فائق ہیں؟ صحیح بات یہ نہیں ہے کہ اسلام مخالف قومیں زیادہ ہوشمند ہیں اور مسلمان عقل وفکر سے عاری ہیں؛ بلکہ صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان بعض چیزیں ایسی درآئی ہیں جو ان کی سوچ وفکر، علم واستعداد اور صلاحیت وبصیرت پر جمود کی تہیں جمارہی ہیں، ان کمزوریوں کی وجہ سے دشمنان اسلام کو مسلمانوں کا شیرازہ منتشر کردینے اور انہیں مفلوج بنادینے میں کامیابی مل رہی ہے۔

وہ چیزیں جو مسلمانوں کو کمزور کرکے اسلام مخالف اقوام وملل کے لیے کامیابی کا باعث بن رہی ہیں، ان میں نسلی ومسلکی اختلافات کو سرفہرست رکھا جاسکتا ہے، مسلمانوں میں نسلی ومسلکی اختلاف کا نقصان صرف کسی ایک علاقہ، خطہ یا ملک تک محدود نہیں بلکہ عالمی سطح پر اس کی مضر اثرات ظاہر ہورہے ہیں، یہ نسلی ومسلکی اختلاف ان ممالک میں بھی پایا جاتا ہے جہاں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں اور وہاں بھی پایا جاتا ہے جہاں ان کی حکومتیں نہیں ہیں بلکہ جن ممالک میں حکومت کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے، وہاں نسلی ومسلکی اختلاف نسبتاً زیادہ شدید رخ اختیار کیے ہوئے ہے، جس کا پورا پورا فائدہ اسرائیل، امریکہ اور اس کے حلیف ممالک اٹھارہے ہیں، گذشتہ چند سالوں کے درمیان عراق میں جو حالات پیدا ہوئے اور عراق کو تباہ

وبرباد کرنے میں امریکہ کو جو کامیابی ملی اس کے پیچھے بھی یہی اسباب کارفرما تھے، اس بات سے کون واقف نہیں کہ جس طرح عرصہ دراز سے عراق میں شیعہ یعنی مسلکی اختلاف عروج پر رہا ہے، اسی طرح کردوں کا مسئلہ بھی عراق کے حالات پر اثرانداز ہوتا رہا ہے، جس کا تعلق نسلی اختلاف سے ہے، امریکہ نے اس اختلاف کو مزید ہوا دی اور اسے شباب پر پہنچادیا، یہاں تک کہ عراق تباہی کے دہانے پر چلا گیا، عراق میں داخل ہونے اور صدام حسین کی حکومت کا تختہ الٹ دینے میں عراق میں قائم نسلی ومسلکی اختلاف نے امریکہ کا زبردست تعاون کیا، یہ کوئی اتفاقی امر نہیں کہ کئی دہائیوں قبل کردوں کی تحریک کے روح رواں مصطفیٰ برزانی کو امریکہ کی پشت پناہی حاصل تھی، جس کے سبب انہوں نے عراق اور ایران کی حکومتوں کو لوہے کے چنے چبوادیئے تھے، بگڑتے حالات کو دیکھ کر صدام حسین نے کردوں کی شورش کو دبانے کے لیے قدرے سخت موقف اختیار کیا مگر اس وقت امریکہ نے کردوں کے تئیں صدام حسین کے خلاف کسی سخت ردعمل کا اظہار نہیں کیا، اس لیے کہ صدام حسین اور امریکہ کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم تھے، لیکن جب کچھ وقت کے بعد امریکہ اور صدام حسین کے تعلقات میں کڑواہٹ آئی تو امریکہ نے کردوں کی حمایت کرنی شروع کردی، یہاں تک کہ جب ۲۰۰۳ء میں عراق پر امریکی تسلط قائم ہوگیا اور امریکہ کے اشاروں پر رقص کرنے والی حکومت تشکیل دے دی گئی تو کردوں ہی کا مسئلہ اٹھا کر سابق صدر صدام حسین کو بھی تختہ دار پر چڑھادیا گیا۔

اسی نسلی منافرت کی بنیاد پر اب اسلام دشمن طاقتیں ترکی میں خانہ جنگی کی راہ ہموار کررہی ہیں اور کردوں کی بغاوت کو آگے بڑھانے کا خطرناک کھیل کھیل رہی ہیں، تاکہ ترکی کو بھی عراق جیسا بنایا جاسکے، ترکی کے تئیں امریکہ اور اسکے حلیف ممالک کے نظریات میں یہ تبدیلی اس وقت سے سامنے آرہی ہے جب سے ترکی میں اسلام پسندوں کو فتح حاصل ہوئی ہے، اور حکومت اسلام سے قربت رکھنے والے افراد کے ہاتھوں میں آگئی ہے، اب اسلام دشمن طاقتیں یہ چاہتی ہیں کہ ترکی میں بھی خانہ جنگی جیسے حالات پیدا کردیئے جائیں تاکہ وہاں اسلام کو پھولنے پھلنے کا موقع نہ ملے، اور ترکی کی سرزمین پر بھی عراق کی طرح ان کا اثرورسوخ ہوجائے، ترکی کی تازہ ترین صورت حالت یہ ہے کہ ترکی فوج اور کرد باغیوں کے درمیان زبردست معرکہ آرائی جاری ہے، دونوں جوانب سے سیکڑوں افراد جاں بحق ہوچکے ہیں، البتہ یہ ہے کہ تازہ ترین بحران میں کردوں کو امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پچھلے دنوں جب کردوں کی شورش کو دبانے کے لیے ترکی حکمرانوں نے ان کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو کئی مغربی ممالک نے ترکی کو فوری طور سے کردوں کے خلاف سخت قدم اٹھانے سے باز رکھنے کی کوشش کی، کچھ بیرونی طاقتوں ہی کی پشت پناہی کی وجہ ہے کہ کرد ترکی افواج کے مقابلے میں مضبوطی کے ساتھ سینہ سپر ہیں اور ایک قدم بھی پیچھے ہٹانے کے لیے تیار نہیں ہیں، گویا بیرونی طاقتیں جس طرح کردوں کی پشت پناہی کررہی ہیں، اس سے ایسا لگتا ہے کہ ترکی کے لیے یہ مسئلہ انتہائی پیچیدہ ہوتا جارہا ہے، اگر فوری طور سے اس مسئلہ سے نہ نمٹا گیا تو اس کے نتائج انتہائی خطرناک ہوں گے۔

اس مسئلہ کا خطرناک پہلو یہ ہے کہ اس باہمی کشمکش اور مزاحمت میں ترکی کی افواج یا عوام ہلاکت سے دوچار ہوں یا خود کرد، دونوں صورتوں میں نقصان مسلمانوں ہی کا ہے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس بات کو محسوس نہیں کیا جارہا ہے، اور اسلام کے تقاضوں سے صرف نظر کرکے محض نسلی امتیاز پر توجہ دی جارہی ہے، اگر عراق یا ترکی میں مسلمانوں کے درمیان یہ نسلی امتیاز نہ ہوتا تو اسلام دشمن طاقتوں کی سازشیں دھری کی دھری رہ جاتیں، لیکن اس نسلی تفریق نے عراق، ایران اور ترکی میں اختلاف کی جڑوں کو انتہائی مضبوط کردیا ہے، عراق، ایران اور ترکی یہ تینوں ہی ممالک جغرافیائی لحاظ سے اتنے اہم ہیں کہ ان میں امن وامان برقرار رہے اور یہ ممالک باہم متفق ہوکر سائنسی،

تکنیکی اور دفاعی سطح پر آگے بڑھیں تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں ان کے سامنے ہیچ دکھائی دینے لگیں، اس لیے مغرب کی شاطر قوموں نے ان ممالک میں نفرت کے بیج بہت پہلے بو دیئے تھے جن کا درخت آہستہ آہستہ تناور ہوتا جارہا ہے، امریکہ نے انتہائی چالاکی سے کردوں کے ذہن میں یہ بات پہلے ہی ذہن نشین کردی ہے کہ عراق، ایران اور ترکی میں پھیلے ہوئے کردستان کے تمام علاقوں سے مل کر ایک آزاد وخودمختار مملکت قائم ہونی چاہئے، اس سلسلہ میں امریکہ نے کردوں کے لیڈران سے وعدے بھی کیے تھے، مگر چونکہ ترکی کے تعلقات امریکہ کے ساتھ بہت قریبی تھے، یہاں تک عراق امریکہ جنگ میں ترکی نے امریکہ کی بھرپور مدد کی تھی، اس لیے کردوں کے لیے الگ سے ایک آزاد وخودمختار مملکت کی تحریک کو دبا کر رکھا گیا؛ لیکن جیسے ہی ترکی میں انقلاب آیا، فوجی حکومت کا اثر ورسوخ ختم ہوا اور طیب اردگان وعبداللہ گل جیسے اسلام پسندوں کے ہاتھ میں ترکی کی باگ ڈور آئی، تو فوراً امریکہ نے پینترا بدل لیا اور ترکی کے حالات کو ابتر بنانے کے لیے کردوں کی وہ تحریک جو گذشتہ کئی دہائیوں سے سردخانہ میں پڑی ہوئی تھی اسے پھر ہری جھنڈی دکھادی۔

وقت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ کرد موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے اور محض نسل کی بنیاد پر اپنے لیے کسی ایک مملکت کے قیام کی تحریک کا آغاز نہ کرتے، کیونکہ اسلام ہرگز نسلی تفریق ومنافرت کی اجازت نہیں دیتا بلکہ تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی بتاتا ہے، ارشاد باری ہے ”بلاشبہ مومنین بھائی بھائی ہیں“ اس اعتبار سے مسلمانوں کے کسی بھی قبیلہ یا برادری کے لیے یہ مطالبہ بے معنی ہے کہ قبیلہ یا نسل کی بنیاد پر ان کی الگ حکومت ہونی چاہئے، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان چاہے وہ جہاں بھی آباد ہوں نسلی، مسلکی، خاندانی اور برادری پر مبنی اختلافات سے بچیں اور مسلم دشمن طاقتوں وگروہوں کو اس بات کا موقع نہ دیں کہ وہ ان کے آپسی تنازعات سے فائدہ اٹھا کر اسلام اور مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوجائیں، رنگ ونسل، برادری اور مسلک کے اختلافات کے خاتمہ کے بعد ہی علاقائی، ملکی وعالمی سطح پر مسلمانوں کے درمیان اتحاد ممکن ہوسکے گا۔

❁❁❁❁❁

غـــزل

بدنظر کہتے ہیں عالمگیر ہے رسم جہیز
آنکھ والوں لائق تعزیر ہے رسم جہیز

نیک دختر گریۂ شادی سے متأثر ہوئی
والدمشفق کی دامن گیر ہے رسم جہیز

قوم کو لے جارہی ہے یہ تباہی کی طرف
سرخوشی کے پاؤں کی زنجیر ہے رسم جہیز

واعظ و رہبرکی باتوں کااثر ہوتا نہیں
بدنگاہ وقاتل تدبیر ہے رسم جہیز

اس طرح بگڑا ہوا ہے آج کا گندہ سماج
یہ سمجھتا ہے کہ شہدوشیر ہے رسم جہیز

رحمت عالم کی سنت کا اڑاتی ہے مذاق
سرگروہ دشمن تکبیر ہے رسم جہیز

درد چنتی ہی نہیں اہل ستم کی خامشی
دیکھ سالک درد گیں تقصیر ہے رسم جہیز

سالک بستوی
مقام غوری، پوسٹ بجھابازار
ضلع سدھارتھ نگر (یوپی)

ترغیب وترہیب

دنیا کی زندگی ایک دھوکہ ہے

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری مرکز احیاء الفکر الاسلامی

"کن في الدنیا کأنك غریب او عابر سبیل"۔(رواہ البخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا کہ اے عمر! تم دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ ایک پردیسی اور مسافر رہتا ہے۔

ہر انسان کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ اس دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ ایک نہ ایک دن ضرور یہاں سے جائے گا، چاہے وہ غریب ہو یا امیر، دولت مند ہو یا محتاج، سرمایہ دار ہو یا مزدور، غرضیکہ سب کو یہ دنیا چھوڑنی ہے؛ کیونکہ دنیا کی زندگی پرائے کا گھر ہے، اس لیے دنیا کو گلے لگانا اور اس کے پیچھے رہنا بیوقوفی اور حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے، زندگی کی مثال تو ایسی ہے جیسے پانی کا بلبلہ، شاعر مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کی قلیل المدتی اور اس کے بے ثبات ہونے کا بڑے اچھوتے انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔

زندگی انساں کی ہے مانند مرغ خوش نوا
شاخ پر بیٹھا کوئی دم چہچہایا اڑ گیا

یعنی انسان کی زندگی اس پرندہ کی مانند ہے جو ٹہنی پر ابھی تھوڑی دیر ہوا بیٹھا تھا اور فوراً ہی اڑ گیا، قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتے ہیں" وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور" یہ دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔

جب ہمیں معلوم ہے کہ دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان اور یہ چند دن کی ہے، تو ہم کیوں اس کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ جس چیز کو ہم عزت دے رہے ہیں خدا تعالی کے یہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ سے تشریف لا رہے تھے، ساتھ میں صحابہ کرام بھی تھے، راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ایک مری ہوئی بکری پر پڑی، آپؐ نے عرض کیا اس مری ہوئی بکری کو کون خریدے گا، صحابہ نے عرض کیا، حضور اس مری ہوئی بکری کو کون خرید سکتا ہے، اس کو تو کوئی ویسے بھی نہیں لے سکتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ" بخدا جس طرح یہ بکری تمہارے کسی کام کی نہیں یعنی تمہارے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں، ایسے ہی اللہ تبارک وتعالی کے نزدیک اس دنیا کی کوئی اہمیت نہیں" ایک دوسری جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں"الدنیا جیفة وطالبها کلاب دنیا ایک مردار جانور کی طرح ہیں اور اس کے پیچھے لگنے والے کتوں کی طرح ہیں"۔

اس حدیث سے صاف واضح ہوتا ہے کہ دنیا مردار ہے، نجس ہے، ناپاک ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں، غور کرنے کا مقام ہے کہ انسان ان تمام چیزوں کو جاننے کے باوجود اپنی آنکھیں بند کر کے اس طرح دنیا کو گلے لگا رہا ہے جیسا کہ اس دنیا کو چھوڑنا ہی نہیں ہے، جب کہ حدیث بالا میں دنیا کے طلب کرنے والوں کو کتوں سے تعبیر کیا گیا ہے، پھر بھی ہم اس سے غافل ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی کے بارے میں فکر کریں اور اس کو غنیمت سمجھیں کہ ہماری یہ تھوڑی سی زندگی کب ختم ہو جائے اور کس موڑ پر جا کر رک جائے اور ہم خالی ہاتھ ہو کر خدا کے یہاں جائیں۔

خیر کن اے برادر وغنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآمد فلاں نماند

اے بھائی کچھ نیکیاں کر لے اور اپنی زندگی کو غنیمت جان، اس سے پہلے کہ یہ اعلان کیا جائے کہ فلاں شخص دنیا میں نہیں رہا۔

چنانچہ انسان جنت کی ابدی زندگی کو چھوڑ کر اس زندگی کو اپناتا ہے جو تھوڑی ہے اور قلیل المدت ہے اور اس راہ پر نہیں چلتا جو اسے ابدی زندگی کا مستحق بنادے، اس لیے دنیا میں رہ کر اس کی تمام چیزوں سے فائدہ اٹھایا جائے اور اس سے لطف اندوز بھی ہوا جائے؛ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس دنیا کو آخری مشن، آخری منزل اور آخری ٹھکانہ نہ سمجھا جائے اور نہ اس دنیا کو اپنے دل میں بسایا جائے؛ بلکہ دنیا کو اپنے دل سے دور رکھا جائے، صرف اتنا قریب کیا جائے کہ وہ ہمارے اندر نہ آسکے، اس سے فائدہ ضرور اٹھایا جائے مگر دنیا کو اپنی ذات سے فائدہ نہ اٹھانے دیا جائے؛ کیونکہ اگر دنیا کو ہماری ذات سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا تو سمجھ لیجئے کہ ہم دنیا کے ہو گئے اور دنیا ہمارے دل میں جگہ بنالی، تو یقین جانئے کہ ہم تباہ و برباد ہو گئے، مولانا رومیؒ نے دنیا کے بارے میں ایک خوبصورت، جامع اور بلیغ مثال دی ہے اور سچی بات بھی یہی ہے کہ اگر یہ بات ذہن میں ہو تو آدمی دنیا سے اپنا تعلق اسی طرح رکھے گا جتنا کہ وہ اس دنیا میں آرام سے رہ سکے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''دنیا کی مثال پانی جیسی ہے اور انسان کی مثال کشتی جیسی ہے، اگر آپ ایک کشتی کو پانی کے بغیر چلانا چاہیں تو وہ کشتی نہیں چل سکتی، کوئی کشتی ایسی نہیں جو پانی کے بغیر چل سکتی ہو، پانی کشتی کے لیے لازمی شئ ہے، اسی طرح انسان دنیا کے مال و اسباب کے بغیر اور کھائے کمائے بغیر زندگی بسر نہیں کرسکتا؛ لیکن آگے فرماتے ہیں کہ یہ پانی اس وقت تک کشتی کے لیے فائدہ مند ہے جب تک کہ وہ کشتی کے اردگرد اور نیچے ہے، اگر یہ پانی کشتی کے اندر گھس گیا تو وہ کشتی کے لیے فائدہ مند ہونے کے بجائے کشتی کو ڈبودے گا'' مزید مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ ''دنیا جب تک انسان کے اردگرد اور اس کے چاروں طرف ہے اور انسان اس سے اپنی ضروریات پوری کررہا ہے، کھا رہا ہے، پی رہا ہے، کما رہا ہے، اس وقت تک وہ اس کے لئے بہترین سرمایہ زندگی ہے؛ لیکن جس روز یہ دنیا اردگرد سے ہٹ کر دل میں داخل ہو جائے گی اور ہر وقت اس کی محبت، اس کی فکر، اس کا خیال، اس کی دھن سوار رہے گی تو سمجھ لیجئے کہ ہم اس کے پیچھے لگ گئے ہیں اور دنیا ہمارے دل میں رچ بس گئی ہے اور ہم کو اپنا گرویدہ بنالی ہے''۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اس دنیا میں ایک مسافر کی طرح زندگی گزاریں، جس طرح مسافر ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن پر آتا جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ ہم آج یہاں ہیں اور کل وہاں رہیں گے، کیونکہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے؛ لیکن ہم ہیں کہ اس دنیاوی زندگی کے پیچھے اس طرح بھاگ رہے ہیں کہ ہمیں اپنی آخرت کا بھی پتہ نہیں اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم اس دنیاوی زندگی میں اس طرح مدہوش ہیں کہ خدا کو بھی بھول گئے ہیں اور در در کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں لیکن پھر بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلتی۔

برخلاف اللہ کے نیک اور سچے بندے وہ ہیں جو اللہ کا ہر حکم ماننے کو تیار رہتے ہیں اور ہمیشہ خدا کی یاد میں ڈوبے رہتے ہیں اور دنیا کی عیش وعشرت اور یہاں کی سب چیزوں کو بے فائدہ سمجھتے ہیں؛ کیونکہ ان کے ذہن میں یہ بات ہمیشہ جاگزیں رہتی ہے کہ دنیا کی زندگی تو چندروزہ ہے، جو پلک جھپکنے کے وقت میں ختم ہو جائے گی، چاہے تنگی میں گزرے یا آرام میں گزرے، یہ زندگی تو ہر حال میں گزر جانی ہے، اس لیے اتنی مختصر سی زندگی کے لیے بے پناہ دولت جمع کرنے کا کیا فائدہ، انتہائی مضبوط اور عالیشان عمارتیں تعمیر کرنے سے کیا حاصل، جس پر انسان زیادہ وقت تک نہیں رہ سکتا، جب اسے بالآخر زندگی کو چھوڑنا ہے، دنیا اور اس کے تمام ساز و سامان کو چھوڑنا ہے جو مہیا کرتا ہے، تو پھر شب روز اللہ سے غافل ہو کر ناجائز و حرام چیزوں کے درمیان فرق مٹا کر کیوں پیسے یا دنیوی زندگی کی طرف بھاگتا ہے۔

اس لیے ہر آدمی کو اپنی زندگی کے بارے میں سوچنا چاہئے کہ اس مختصر سی زندگی میں کیا کرنا چاہئے اور کونسا عمل کرنا چاہئے کہ جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو؛ لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ جب تک دنیا کی محبت دل میں رہے گی تب تک خدا اور رسول کی محبت پیدا نہیں ہوسکتی۔

طریقۂ تربیت

اساتذہ بچوں کو مار سے نہیں پیار سے تعلیم دیں

الحاج حافظ منشی عبدالغفور ناظم مدرسہ انوار القرآن نعمت پور، سہارنپور

قدیم زمانے سے ہی چھڑی کو طلبہ کی تعلیم و تربیت کا کارگزار ذریعہ سمجھا جا رہا ہے، جس کے آگے شریر سے شریر اور شریف سے شریف بچہ کو بھی سر جھکانا پڑتا ہے، چھڑی کے کچھ فائدے اور مثبت پہلو ضرور ہیں لیکن کثرت استعمال سے اس کے مثبت پہلو سے کہیں زیادہ مضر اور منفی پہلو اپنے پاؤں جما لیتے ہیں، جو بچہ کی سرشت پر اثر انداز ہو کر نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں، دیکھا گیا ہے کہ بار بار کی پٹائی سے بچہ مار کھانے کا عادی و خوگر ہو جاتا ہے پھر مار اس کے لیے کوئی شرم و عار کی چیز نہیں رہ جاتی، مار پیٹ سے بچہ میں ہٹ دھرمی، بدمزاجی، نفرت و کدورت اور نافرمانی جیسی رذائل عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں، علاوہ ازیں انتقامی جذبہ سے دست درازی تک نوبت پہنچ جاتی ہے، پھر ایسے بچے اساتذہ اور مربیوں کی ناصحانہ باتیں ماننا تو دور کی بات سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے، بعض بچے تو پٹائی کی وجہ سے ذہنی امراض اور دماغی خلجان میں مبتلا ہو کر ترک تعلیم ہی کر بیٹھتے ہیں اور بہت سے بچے حد سے گزری ہوئی ضرب و شلاق کی تاب نہ لا کر فراری اور لا پتہ ہو جانے کی راہ اختیار کر لیتے ہیں، بسا اوقات بچہ چھڑی کے بے جا استعمال سے جسمانی طور پر مجروح ہو کر خود تو مضطرب و پریشان ہوتا ہی ہے استاذ اور والدین کے لیے بھی پریشانی کا باعث بن جاتا ہے، یہ صورتحال بچہ کی جسمانی نشو و نما اور اعضائے رئیسہ کی بالیدگی کو بھی متاثر کرتی ہے، غبی اور کمزور ذہن کے یتیم ولاوارث بچے مار دھاڑ سے گھبرا کر احساس محرومی کا شکار ہو کر پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں، چونکہ ان کی نظر میں کوئی انکا پرسان حال اور آنسو پونچھنے والا نہیں ہوتا، ایسے بچوں کو سزا دینے سے پہلے قدرے تامل کر لیا جائے تا کہ بعد میں کف افسوس نہ ملنا پڑے ''فاما الیتیم فلا تقھر'' (یتیم کو نہ جھڑکو) کو مدنظر رکھتے ہوئے یتیم بچوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا جاوے، بعض مقامات پر تو مدارس میں مار نہیں پیار جیسے جملوں اور مضامین کی تختیاں آویزاں کر دی گئی ہیں، جس سے ممکن حد تک سدھار پیدا ہوگیا ہے، بہر حال بچوں کو حد سے بڑھ کر زد و کوب کرنا دور حاضر میں اتنا مفید نہیں جتنا کہ مضر نظر آتا ہے۔

چونکہ استاذ اور شاگرد کا رشتہ نہایت مہذب و مستحکم ہوتا ہے، اس لیے استاذ کی طرف سے شفقت و مروت کا اظہار شاگرد کو خود اعتمادی، طمانیت اور فخر و ناز کا احساس دلاتا ہے، غصہ اور مار کی وجہ سے بعض اساتذہ کا رعب و دبدبہ اس قدر ہوتا ہے کہ بچے درجہ میں زبان کھولنے اور کچھ بھی پوچھنے کی جرأت نہیں کر پاتے، ایسی حالت میں حصول علم میں پختگی کما حقہ نہیں ہو پاتی، غصہ ویسے بھی ظلم و ناانصافی کو شہ دیتا ہے، اس لیے بحالت غصہ بچہ کو کبھی نہ ماریں، جہاں تک ہو سکے پند و نصائح سے کام چلائیں، فہمائش کے بعد بھی اگر اصلاح پذیر نہ ہو تو سزا اس کی جسمانی کیفیت و مزاج اور قصور ہی کے اعتبار سے دیں، اولی اور ادنی تقصیر کی سزا کو ڈانٹ ڈپٹ تک محدود رکھیں، مناسب سمجھیں تو نظر انداز کر دیں، سزا دینے میں غایت درجہ احتیاط برتیں، حد سے تجاوز اور موٹی لکڑی کا ہرگز استعمال نہ کریں، بلکہ ایسی چیز کا انتخاب کریں جس سے بچہ کو اذیت کم سے کم پہنچے، بیک وقت تین چار قمچیوں پر اکتفا کریں، ہو سکے تو افہام و تفہیم سے کام لیں، بوقت سزا بچے کے نازک اعضا، سر، ناک، کان، آنکھ چہرہ وغیرہ کا خیال رکھیں، مجرم کو پہلے اس کے جرم

وقصور کا احساس دلائیں، اقبال جرم کرائیں اور آئندہ اس طرح کی غلطی نہ کرنے کا وعدہ بھی لیں، اس کے مناسب سزا دیں۔

معلم اور مربی بچہ کی کسی بھی طرح کی ناکامی، کوتاہی یا خامی کو سرعام بیان نہ کریں، نہ مضحکہ اڑائیں، ایسے نام سے پکاریں جو اسے پسند ہو بصورت دیگر بچے کے وقار وجذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے جو اسے بغاوت کرنے پر اکساتی ہے، ہر نرم وگرم لب ولہجہ والی بات کو ہر بچہ خوب سمجھتا ہے، تلخ وترش رو کلام سن کر بچہ ہی کیا حلیم سے حلیم شخص بھی بھڑک اٹھتا ہے، اس لیے مدرسین حضرات بچوں کے ساتھ ترش روئی، بدکلامی طنز وتشنیع اور استہزا وغیرہ سے ہمیشہ اجتناب کریں، بات بات پر ناراض ہونے والے استاذ کو بچے اچھی نظر سے نہیں دیکھتے؛ بلکہ رعب وخوف اور ادب واحترام جو ان کے دل میں ہوتا ہے وہ بھی رخصت ہو جاتا ہے، ماہرین تعلیم وتربیت کا تجربہ ہے کہ بچہ کو لمبا سبق یا ایسا کوئی کام نہ سونپا جائے جو اس کی بساط سے باہر ہو، خورد سال بچوں کو تعلیمی راہ پر رکھنے میں توصیفی کلمات بھی مفید ہیں، اساتذہ بچوں کے سامنے ہمیشہ ایک مثالی استاذ اور فرض شناس کا نمونہ بن کر رہیں، سرزنش زیادہ بہتر نہیں، ڈانٹ ڈپٹ میں بھی پیار کی آمیزش ہونی چاہئے، اساتذہ ایک بچہ کو دوسرے بچے پر بالمشافہ فوقیت نہ دیں، طلبہ اور تلامذہ کی ناشائستہ حرکات پر صبر وتحمل اور چشم پوشی کرنا بھی نفع بخش ہے۔

استاذ پہ لازم ہے سعادتمندی
کم ظرفیٔ شاگرد کوئی عیب نہیں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا والدین اپنی اولاد کو جو سب سے بہتر تحفہ دے سکتے ہیں وہ ہے اچھی تربیت، حالات حاضرہ میں بچوں کی تربیت یقیناً بہت لطیف اور اہم شیٔ ہے، اس لیے والدین واساتذہ بچوں کی تربیت وتادیب کرنے میں حکمت اور نرم خوئی سے کام لیں "ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الخ" نونہالان امت ملک وملت کا گرانقدر سرمایہ ہیں، اللہ پاک ہم سب کو اس سرمایہ کی قدر وقیمت پہچاننے اور بخوبی تعلیم وتربیت کرنے کی توفیق وسمجھ عطا کرے۔ آمین

حقائق

اردو کی یہ چھوٹی بستی مگر کام بڑے

فیروز بخت احمد (دہلی)

اردو کی چھوٹی سی مگر بڑی منظم بستی مظفر آباد، ضلع سہارنپور، یوپی، میں بسی ہے جہاں سے دینی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری، دعوتی اور اصلاحی ترجمانی کی جا رہی ہے، ماہنامہ "نقوش اسلام" کے ذریعہ جو جناب مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب، حافظ عبدالستار صاحب عزیزی اور ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی کی ادارت میں پچھلے دو سال سے چل رہا ہے، اردو کے دیگر بہت سے ستونوں میں سے ایک یہ بھی زبان کی خدمت میں پیش پیش ہے۔

اس رسالہ میں ایک بڑے اہم امر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، کہ ہم اپنے مشاہدات جن لوگوں کے لیے لکھ رہے ہیں کیا وہ ہماری زبان کو سمجھتے ہیں یا ہماری محنت رائیگاں جا رہی ہے، آج کل عام اردو اخبارات وجرائد اور رسائل میں جب بھی کوئی شخص دعوتی واصلاحی مضمون لکھتا ہے یا ملک وقوم کے حالات سے متاثر ہو کر کوئی مراسلہ تحریر کرتا ہے تو وہ اپنے دروں کی ترجمانی بڑے جذباتی، ہمدردانہ، مخلصانہ، داعیانہ اور اصلاحیانہ بلکہ مربیانہ وبعض مرتبہ ناقدانہ انداز میں کرتا ہے اور اپنے موقف کی پرزور وکالت ووضاحت کرتا ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس نے دل نکال کر رکھ دیا، مگر اردو قلم کار یا کوئی دوسری علاقائی زبان بولنے والا یہ بھول جاتا ہے کہ جس کو ہم اپنی تحریر یا مضمون میں مخاطب بنا رہے ہیں وہ خود یا اس کے کارندے اس زبان کو سمجھتے بھی ہیں یا نہیں، عام طور سے وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اس کی واہ واہی ہو جاتی ہے مگر مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اگر صدر بش یا سعودی حکومت کو مخاطب کر رہا ہے تو یہ باتیں ان تک تو پہنچ نہیں پاتیں، وجہ یہ کہ وہ لوگ اردو سے مانوس نہیں، لہٰذا بھینس کے آگے بین بجانے سے بہتر یہ ہے کہ ان مضامین، مراسلات وپریس ریلیزوں کا ترجمہ کرا کر ان زبانوں میں بھی مخاطبین کو بھیجا جائے کہ جن سے متعلق وہ باتیں ہیں، اس کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس قسم کے مضامین ومراسلات انگریزی اخبارات کو بھی بھیجا جائے با مقصد صحافت کا تو یہی تقاضہ ہے۔ (روزنامہ راشٹریہ سہارا ۱۸؍ستمبر ۲۰۰۷ء)

تحقیق وتلخیص

مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش

مولانا مفتی رحمت اللہ نیپالی مدرسہ فلاح المسلمین تیندوہ امین نگر رائے بریلی

اس وقت زیر تحریر مضمون اور نوک قلم پر آنے والا موضوع ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' ہے جو" الصراع بين الفكرة الاسلامية والفكرة الغربية فی الاقطار الاسلامية " کا اردو ترجمہ ہے ، جس کے تعارف اور کسی حدتک تلخیص ومطالعہ کی سعادت مجھے مل رہی ہے۔

تعارف کتاب:

یوں تو ہر مصنف ومؤلف کو اپنی تصنیفات وتالیفات عزیز ومحبوب ہوتی ہیں؛ لیکن بعض کتابیں اپنے مضامین کی وسعت وہمہ گیری اور موضوعات ومباحث کی اثر پذیری اور فکرانگیزی کے اعتبار سے انتہائی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں اور اپنے موضوع وفن میں شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں ، اسی طرح مصنف کی کتابوں میں یہ کتاب وقت کی ایک اہم تصنیف ، عالم اسلام کے ذہین طبقہ کے لیے دعوت فکر اور موضوع مطالعہ ہے۔

حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی شہرۂ آفاق تصنیف ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' کے بعد یہ دوسری وقیع وگرانقدر اور اہم تصنیف ہے جو اسی سلسلہ کی دوسری تکمیلی کڑی ہے جیسا کہ مؤلف نے اپنی خودنوشت سوانح حیات '' کاروان زندگی'' حصہ دوم میں اس کا خود اظہار کیا ہے۔

کتاب کی اہمیت:

یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت اہم ،فکر انگیز اور توجہ طلب ہے ،اس لیے کہ وہ ایسے مسئلہ پر لکھی گئی ہے ، جو وقت کا اہم ترین اور نازک ترین مسئلہ ہے ،یعنی وقت کے سب سے بڑے چیلنج ''مغربی تہذیب کی کامل پیروی زندگی کی شرط اور ترقی وطاقت کی واحد راہ ہے'' کو دنیائے اسلام نے کس طرح قبول کیا ، اور مختلف اسلامی ممالک نے اس سلسلہ میں کیا کیا موقف اختیار کئے ، اور ان ملکوں میں اسلام کا کیا مستقبل ہے اور عالم اسلام کے لیے اس بارے میں صحیح راہ عمل کیا ہے؟ اس طرح کے سوالات زیر بحث لاکر اہم گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے اسلامیات اور مغربیت کی مسلم ممالک میں کشمکش کی روداد اس کشمکش کے نتائج اور اس معرکہ میں مسلم ممالک کے طرز عمل اور موقف کا وسیع جائزہ لیا ہے ، اور مغربیت کے عالمگیر رجحان کے اسباب اور ان کا علاج بھی بیان کیا ہے جو خود اس کے الفاظ میں ''مسلم ممالک کا سب سے بڑا اور حقیقی مسئلہ تھا''۔

کشمکش کس چیز میں :

مسلم ممالک میں اسلامیات اور مغربیت کی کشمکش کس چیز میں ہے؟ اس سوال کا جواب اصل کتاب کے عنوان سے عیاں وبیاں ہے کہ یہ کشمکش اس تہذیب وتمدن ،علم وفن اور ثقافت وکلچر کی کشمکش ہے ، تمام ممالک جیسے شکار اور پوری قوم وملت جس لعنت میں گرفتار ہے۔

مؤلف کتاب '' حرف آغاز'' کے عنوان سے کتاب کی ابتداء کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

''اس وقت تقریباً تمام مسلمان ممالک میں ایک ذہنی کشمکش اور شاید زیادہ صحیح الفاظ میں ایک ذہنی معرکہ برپا ہے ، جس کو ہم اسلامی افکار واقدار اور مغربی افکار واقدار کی کشمکش یا معرکہ سے تعبیر کر سکتے

ہیں، ان ملکوں کی قدیم تاریخ، مسلم اقوام کی اسلام سے گہری وابستگی اور محبت والفت اور جس نام پر جنگ آزادی لڑی یا جیتی گئی، یا جس طاقت کے سہارے ان ملکوں کی آزادی کی حفاظت کی گئی، سب کا دعویٰ ہے کہ اس سرزمین پر صرف اسلامی افکار واقدار کا حق ہے اور یہاں صرف اس مسلک زندگی کی پیروی جائز ہے، جس کی اسلام نے دعوت دی ہے۔

لیکن اس کے برعکس جس طبقہ کے ہاتھ میں اس وقت ان ممالک کی زمام کار ہے، اس کی ذہنی ساخت، اس کی تعلیم وتربیت اور اس کی ذاتی وسیاسی مصالح کا تقاضہ ہے کہ ان ممالک میں مغربی افکار واقدار کو فروغ دیا جائے، اور ان ممالک کو مغربی ممالک کے نقش قدم پر چلایا جائے اور جو دینی تصورات، قومی عادات، ضوابط حیات اور قوانین وروایات اس مقصد میں مزاحم ہوں، ان میں ترمیم وتنسیخ کی جائے، اور بالاختصار یہ کہ ملک ومعاشرہ کو تدریجی طور پر (لیکن عزم وفیصلہ کے ساتھ) مغربیت کے سانچے میں ڈھال لیا جائے''۔ (صفحہ ۱۱)

عالم اسلام مغربی تہذیب کی زد میں:

چونکہ یہ مغربی تہذیب اپنی وسیع شکل میں عقائد وخیالات، فکری نظام، سیاسی واقتصادی فلسفات نیز ان مخصوص تجربوں کا ایک عجیب وغریب مجموعہ تھی جس میں ناقص اجزاء بھی تھے، کامل بھی، مضر بھی اور مفید بھی، صحیح بھی اور غلط بھی، وہ اجزاء وعناصر بھی تھے جو کسی خاص ملک اور قوم کے ساتھ مخصوص نہیں، وہ بھی جن میں مغربی تہذیب کی مقامی روح پوری طرح نمایاں تھی اور مغربی ماحول اور معاشرہ کا ان پر گہرا اثر تھا، وہ اجزاء بھی تھے، جن کا دین وعقائد سے گہرا تعلق تھا، اور وہ عناصر بھی جن کا سرے سے مذہب سے کوئی سروکار نہ تھا، اس تہذیبی معجون مرکب نے اس مسئلہ کی پیچیدگی اور اہمیت کو بہت بڑھا دیا ہے، اور عالم اسلام کو ایک نازک اور دشوار پوزیشن میں لاکھڑا کیا ہے، جو اس کے رہنماؤں اور مفکرین کی ذہانت کے لیے ایک امتحان بن گیا ہے، عالم اسلام کو اس نازک صورتحال اور پیچیدہ واہم مسئلہ کا سامنا انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں کرنا پڑا۔

مغربی تہذیب کی نشوونما اور اس کے ثمرات:

مغربی تہذیب وفلسفہ کا یہ شجر جس کی پرورش اور نشو نما کے لیے یورپ کی آب وہوا راس آئی تھی اور اس میں اس کی غذا اور پرورش کے وافر اسباب موجود تھے، یہ درخت مغرب سے اسلامی سرزمین میں منتقل کیا گیا، اس کے لیے فضا سازگار بنائی گئی، زمین ہموار کی گئی، پھر اچھی زمین کھود کر اس کو لگایا گیا تاکہ وہ مضبوطی سے قائم رہے، مؤلف کتاب اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

''درخت اگر اپنے طبعی نظام سے نشو ونما پائے تو وہ اپنے برگ وبار ضرور پیدا کرے گا، اور وقت پر پھل لائے گا، انسانوں کو اس کا اختیار ہے کہ درخت نہ لگائیں یا اس کو پانی نہ دیں، یا جب تیار ہو تو اس کی ہستی کو ختم کردیں، مگر اس کا اختیار نہیں کہ ایک توانا وتندرست، سرسبز وشاداب درخت کو اپنے نوعی وجود وشخصیت کے اظہار اور وقت پر پھل لانے سے روک سکیں''۔

تطبیق دیتے ہوئے اس کے آگے لکھتے ہیں:

''یہی معاملہ مغربی نظام تعلیم کا ہے وہ اپنی ایک روح اور اپنا ایک منفرد ضمیر رکھتا ہے جو اپنے مصنفین ومرتبین کے عقیدہ وذہنیت کا عکس، ہزاروں سال کے طبعی ارتقاء کا نتیجہ، اہل مغرب کے مسلمہ افکار واقدار کا مجموعہ اور ان کی تعبیر ہے، یہ نظام تعلیم جب کسی اسلامی ملک یا مسلمان سوسائٹی میں نافذ کیا جائے گا تو اس سے ابتداء ذہنی کشمکش، پھر اعتقادی تزلزل، پھر ذہنی اور بعد میں الا ماشاء اللہ دینی ارتداد قدرتی ہے''۔

مغربی تہذیب نے نظام تعلیم پر اپنے اثرات ڈالنے کے لیے کیا تدبیر اپنائی، کیا پلاننگ بنائی اور کیا طریقہ سوچا اور منظور کیا ہے؟ اس کے لیے مندرجہ ذیل رپورٹ پڑھئے:

''مشہور انگریز اہل قلم لارڈ میکالے نے جو ۱۸۳۵ء میں اس تعلیمی کمیٹی کے صدر تھے (جو یہ طے کرنے کے لیے بیٹھی تھی کہ ہندوستانیوں کو مشرقی زبانوں کی جگہ انگریزی زبان میں تعلیم دی جایا کرے) اپنی رپورٹ میں لکھا تھا'' ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم میں

اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان ترجمان ہو، یا ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو''۔ (صفحہ ۲۴۶/۲۴۷)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مغربی تہذیب کا شیوہ غارت گری اور آدم دری ہے اور اس کا مشغلہ اور مقصد تجارت اور سوداگری ہے، یہ تہذیب اگرچہ اپنی عمر و تاریخ کے لحاظ سے جواں سال و نوعمر ہے مگر اپنی غلطیوں اور بنیادی کمزوریوں کی وجہ سے عالم نزع میں گرفتار اور مکمل زوال کے لیے تیار ہے، یہ تہذیب علم کی ضیاء سے روشن اور زندگی کی حرارت سے شعلہ زن ہے، نہ اس میں انقلابی ایجاد ہے اور نہ ہی قوت اجتہاد، اس کے مرکز اب نعرۂ مستانہ، ادائے قلندرانہ و جرأت پیمبرانہ سے محروم ہو چکے ہیں۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

تہذیب جدید اپنانے کی اصل وجہ:

تہذیب حاضر کو گلے لگانے اور اپنانے کی اصل وجہ مغرب سے مرعوبیت و مغلوبیت ہے، قوموں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے اور جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ جب بھی کوئی قوم کسی قوم سے مرعوب ہوئی، تو اس نے اس کے سامنے سپر ڈال دیا اور اس کی روش اختیار کر لی اور اسی کے نقش قدم پر چلنے کو بام عروج تک پہنچنے کا زینہ اور اس کی کامل پیروی کو کامیابیوں کا خزینہ سمجھ لیا ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لٹ گئی، پٹ گئی، ذلیل و رسوا ہوگئی، بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب، یہودیوں سے مرعوب تھے، قرآن کریم نے جب ان کا پول کھولا تب یہ مرعوبیت ختم ہوئی۔

مغربی تہذیب کے سلسلہ میں عالم اسلام کے مواقف:

مغربی تہذیب کی نئی اور پیچیدہ صورت حال سے نپٹنے کے لیے قدرتی طور پر تین موقف (رویے) ہو سکتے ہیں:

پہلا موقف منفی رویہ:

پہلا موقف یا رویہ منفی اور سلبی Negative ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم اسلام اس تہذیب کے سارے نتائج اور فوائد کا یکسر انکار کر دے اور اس کی کوئی اچھی بری بات سننے کا روادار نہ ہو اور مغرب سے استفادۂ علمی کو حرام اور ''شجرۂ ممنوعہ'' سمجھ کر اس کے جدید آلات، مشینیں، ساز و سامان اور ضروریات زندگی کے قبول کرنے سے گریز کرے۔

اس موقف کے نتائج:

مؤلف کتاب اس رویہ کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس موقف کا قدرتی نتیجہ عالم اسلام کی پسماندگی اور زندگی کے رواں دواں قافلہ سے بچھڑنے کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا، اس سے عالم اسلام کا رشتہ باقی دنیا سے منقطع ہو جائے گا اور وہ ایک محدود و حقیر جزیرہ بن کر رہ جائے گا جیسا کہ گرد و پیش کی دنیا سے کوئی پیوند نہیں ہوگا، سمندروں میں ایسے بے شمار جزیرے ہو سکتے ہیں لیکن خشکی میں اس طرح کے جزیروں کی گنجائش نہیں''۔

اس رویہ کو فطرت کے خلاف بغاوت و جنگ قرار دیتے ہوئے اسے کوتاہ نظری پر مبنی بھی بتایا ہے، جس سے فطری قوتوں اور وسائل میں تعطل پیدا ہوتا ہے اور یہ دین فطرت کی صحیح ترجمانی و تعبیر بھی نہیں ہے، جنگی تیاری اور سامان جنگ کی طرف توجہ مرکوز فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب میں حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے اہل ایران کے طریقہ پر خندق کھودی، آپ کے بعد اسی مثال پر اہل قلم وفقہاء کاربند رہے، اور ان معاملات میں زمانہ کے ساتھ چلتے تھے، کیونکہ اگر دنیا کا کوئی ملک چشم و گوش بند کر کے تہذیب جدید کے زبردست چیلنج کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا ہے، یا اس کو یک قلم مسترد کر کے چین کی نیند سونا چاہتا ہے، اور اپنی محدود دنیا سے باہر نکلنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا، تو وہ ملک زیادہ دنوں تک معتدل و پرسکون حالت پر قائم نہیں رہ سکتا، اس کو مسلسل بغاوتوں اور انقلابات کا سامنا کرنا ہوگا، اس کے مختلف گوشے میں نافرمانی اور مخالفت کی شدید تحریکیں اٹھ کھڑی ہونگی، جس سے ایک طوفان بلاخیز اٹھ کھڑا ہوگا اس لیے کہ یہ رویہ اور موقف فطرت انسانی کے بالکل خلاف ہے۔

دوسرا موقف:

دوسرا موقف شکست خوردگی، مکمل سپردگی اور ایک عقیدتمند وسرگرم مقلد اور سعادتمند شاگرد کا ہے، جو مغربی تہذیب کو جوں کا توں قبول کرنے اور اس کے بنیادی عقائد وفکری رجحانات، مادی افکار وخیالات اور سیاسی واقتصادی نظام پر ایمان لے آئے۔

اس طرز فکر اور طریقہ کار کا سب سے پہلے ترکی میں تجربہ کیا گیا، ترکی میں یہ رجحان بہت سے طبعی عوامل اور ایک طویل تاریخ کا نتیجہ تھا، کیونکہ ترکی نے ایک طویل عرصہ تک کسی تیاری اور دشمن کے علمی وصنعتی، ہتھیاروں سے مسلح ہوئے بغیر یورپ کا مقابلہ کیا، اس نے یورپ سے مفید علوم، ضروری صنعتوں، فوجی تنظیم کے طریقوں کو اخذ کرنے اور ملک کو جدید طریقہ پر منظم کرنے کے ضروری کام میں کوتاہی اور تغافل سے کام لیا اور اچھے برے اور مفید وغیرہ مفید تقاضوں میں تمیز نہ کر سکا۔

ترکی کا تقلیدی کردار:

اگر ترکی مغربی تہذیب پر اپنی سیادت قائم کر لیتا اور اس پر قابو پانے کے بعد اس کو اعلیٰ انسانی واسلامی مقاصد کے لیے استعمال کرتا، آزاد خیال قائد کی طرح اس میں ترمیم وتصرف کرتا، یا ایک مجتہد عالم کی طرح اپنی خداداد عقل سے سوچتا، تو وہ مشرق کی ان اقوام کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ اور قابل صد احترام پیشوا بن جاتا، جو مشرق ومغرب کی زبردست چیلنج کا شکار ہیں اور تہذیب جدید کے کھلے ہوئے چیلنج کا سامنا کر رہی ہیں۔

لیکن افسوس کہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا، جو کچھ ہوا وہ صرف یہ کہ ترکی نے مغربی تمدن کی نقل شروع کر دی، وہ مغربی تہذیب کے ان کھوکھلے مظاہرے اور سطحی اصطلاحات میں الجھ کر رہ گیا، جن سے قوموں اور تہذیبوں کی زندگی میں کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا، اس اقدام نے ترکی کو اپنے ماضی قریب سے اور شاندار علمی ترکہ اور ذخیرہ سے محروم کر دیا، جس کی تعمیر وترقی میں کثیر التعداد لائق وفائق ترکی نسلوں اور دماغوں نے شاندار حصہ لیا تھا، اور ملک کے سربراہوں اور ان عوام کے درمیان ایک زبردست خلیج حائل کر دی جو ایمان ومحبت اور دینی جذبہ سے معمور ومخمور تھے، اس غیر دانشمندانہ اقدام نے قوم سے اعتماد کی وہ دولت بے بہا چھین لی جو اس عظیم مسلم قوم کا طرۂ امتیاز وخصوصیت رہی ہے، اس نے ترکی معاشرہ میں اضطراب وانتشار، نیم دلی، افسردگی اور مایوسی پیدا کر دی تھی۔

ترکی مصطفی کمال اتاترک کے عہد میں:

مصطفیٰ کمال شروع میں فوجی افسر کی حیثیت سے ملک کے سامنے آیا، ۱۹۱۵ء میں گیلی پولی کے معرکہ میں زبردست کارہائے نمایاں انجام دینے سے وہ شہرت یافتہ ہو گیا، پھر ۱۹۲۴ء میں سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد ترکی کا پہلا صدر منتخب ہوا، اور اسی حالت میں ۱۹۳۴ء میں انتقال کیا، کمال اتاترک کی قیادت میں ترکی نے لامذہبیت (سیکوزم) اپنے ماضی سے انحراف؛ بلکہ بغاوت شدید وجذباتی مغربیت اور عسکری آمریت کا رخ اختیار کیا۔

چونکہ یہ شراب کا خوگر، جنسی خواہشات کا شوقین تھا، اس کے اندر نہ خدا کا اعتقاد، نہ زندگی کے بعد موت کا یقین تھا، اس لیے وہ مغربی تہذیب کا عاشق زار اور اس پر نثار تھا اور اس کا تقدس واحترام، اس کے اعصاب وجذبات پر مستولی تھا، ترکی قوم کو جلد از جلد مغربی قوم کے رنگ میں رنگ دینے اور مکمل طور پر ان کا ایسا ہم رنگ بنا دینے کے لیے جس کے بعد کوئی امتیاز نہ رہے۔

تا کس نہ گوید بعد از یں
من دیگرم تو دیگری

اس نے ترکی ٹوپی اور سر کے ہر لباس کو خلاف قانون قرار دیا، اور ہیٹ کا استعمال لازمی قرار دیا، پرسنل لاء کو یورپ کے قانون دیوانی کے مطابق وماتحت کر دیا، دینی تعلیم ممنوع قرار پائی، پردہ کو خلاف قانون قرار دے دیا، مخلوط تعلیم کا نفاذ کیا گیا، عربی حروف کی جگہ لاطینی حروف جاری ہوئے، عربی میں اذان ممنوع قرار پائی، اور قوم کا لباس تبدیل ہو گیا، غرضیکہ کمال اتاترک نے انگریز مؤرخ کے الفاظ میں

''ترکی قوم اور حکومت کی دینی اساس کو توڑ پھوڑ کے ختم کر دیا، اور قوم کا نقطۂ نظر ہی بدل دیا'' کمال اتاترک کو جتنی مقبولیت حاصل ہوئی، اتنی کسی کو نہ ہوئی، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ شہرت تھی کہ اس نے ترکی کو بہت نازک وقت میں ایک ایسے خطرہ سے بچایا جو اس کے لیے موت وزیست کا سوال بن گیا تھا۔

الحمدللہ اب ترکی اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لیے سرگرم عمل ہے، اذان دینے اور نماز پڑھنے کی اجازت بھی مل گئی ہے اور مسجدیں آباد نظر آتی ہیں اور مدارس قال اللہ وقال الرسول کی صدا سے گونج رہے ہیں۔

سرزمین ہند میں مغرب ومشرق کی کشمکش:

ترکی کے بعد دوسرا میدان ہندوستان تھا، یہ اس وقت کی بات ہے جب سرزمین ہند میں انگریزی حکومت کے قدم اچھی طرح جم چکے تھے اور وہ اپنے ساتھ جدید علوم اور جدید تنظیمات اور اس کے متعلقہ آلات ومصنوعات اور افکار وخیالات کا ایک بڑا لشکر لائی، اس پیچیدہ نفسیاتی کیفیت اور نازک حالات میں دوقسم کی قیادتیں ابھر کر سامنے آئیں، ایک کے علمبردار علمائے دین تھے اور دوسری کے سرسید احمد خاں سرسید کا نظریہ یہ تھا کہ انگریزوں کی مکمل تابعداری کی جائے اور مغربی تہذیب وتمدن سے حتی الامکان بہرہ مند ہوا جائے، بلکہ اسی رنگ میں اپنے وجود کو رنگ دیا جائے، کیونکہ اس کے بغیر ترقی ممکن نہیں، اسی نظریہ اور فکر کی اشاعت کے لیے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا قیام عمل میں آیا۔

دوسرا طبقہ علمائے دین کا تھا، جو مغربی تہذیب کو بے حد ناپسند کرتا تھا، اور اس کی ہوا لگنے سے بھی احتراز کا داعی تھا، اور یورپ کی کسی بھی چیز کو اپنانے اور اختیار کرنے کا روادار نہ تھا، اس طبقہ نے دین وعقیدہ پر کاربند رہنے اور اسلام کی ترویج واشاعت کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند کی داغ بیل ڈالی، خلاصہ کلام یہ کہ ایک طبقہ قدیم طرز تعلیم ومسلک سے سرمو انحراف کو ایک قسم کی تحریف اور بدعت سمجھتا تھا، اور دوسرا طبقہ مغرب سے ہر آنے والی چیز کو عظمت وتقدس کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس کو ہر عیب ونقص سے پاک تصور کرتا تھا، ان دومتضاد تحریکوں کے درمیان قوم کا ایک بڑا طبقہ ہچکولے کھا رہا تھا، اس ڈانواں ڈول کشتی کو ساحل مراد سے ہمکنار کرنے کے لیے ندوۃ العلماء کا سنگ بنیاد رکھا گیا، جس نے دونوں کو جوڑنے میں حسین سنگم کا کام کیا، اور ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' کو معیار، اور فرمان نبوی "الحکمة ضالة المؤمن انی وجدها فهو احق بها" کو اپنا شعار بنایا۔

مصر میں مغرب کی صدائے بازگشت:

تیسرا مرکزی میدان مصر تھا، جہاں مشرق ومغرب کی فکری، ثقافتی، تہذیبی اور اجتماعی کشمکش بڑے پیمانہ پر سامنے آئی، خاص طور سے آزادیٔ نسواں کی تحریک بہت زور وشور سے چلی، مشہور مصری نقیب قاسم امین کی کتاب ''تحریر المرأة'' اور ''المرأة الجدیدة'' نے تو عورتوں میں آزادی وبے پردگی کی ایک شدید لہر پیدا کر دی، کیونکہ مصنف نے پہلی کتاب میں یہ دعوی کیا ہے کہ ''بے پردگی کی دعوت میں دین سے کوئی مخالفت نہیں پائی جاتی''۔

اس تحریک کا اثر یہ ہوا کہ مرد وزن کے مخلوط اجتماعات کا رواج ہو چلا، اور تعلیم حاصل کرنے کے لیے مصری لڑکیاں وطالبات یورپ وامریکہ کا سفر کرنے لگیں، اس دور میں مصر کے بعض ادباء ومصنفین نے مغربی تہذیب کو پورے طور پر قبول کر لینے، اور اس تہذیب وتمدن کو اپنے لیے ایک اعلی اور مثالی نمونہ تصور کرنے کی علانیہ دعوت دی، مصر پر مختلف اسباب کی بنا پر مغربی تہذیب کا رنگ روز بروز گہرا ہوتا جا رہا تھا، اس میدان میں اس نے اتنا فاصلہ طے کر لیا تھا کہ ۱۹۳۸ء میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اس کو مغربی تہذیب وزندگی کا نمونہ قرار دیا، جو خود مغربی تمدن وفلسفہ کے گرویدہ اور فرانسیسی ثقافت وادب کے دلدادہ تھے۔

اخوان تحریک:

اس تحریک کے قیام کا پس منظر مؤلف کے الفاظ میں ''مغربی تہذیب کا آنکھ سے آنکھ ملا کر مقابلہ اس پر جرأتمندانہ اور پر از اعتماد تنقید اور ایک داعی اور حملہ آور کی حیثیت سے اس کا سامنا کرنے کے لیے ایک مربوط اور ٹھوس کوشش، مغربی تہذیب کے مزاج اور اس کی

ترکیب سے گہری واقفیت، اسلام کی دعوت اور اس کی تعلیمات اور اس کے مسلک زندگی پر مضبوط عقیدہ اور داعیانہ جوش کی ضرورت تھی''۔

اس کے لیے اخوان کی تحریک کا قیام عمل میں آیا، اگر اس تحریک کو خاطر خواہ کامیابی ملی ہوتی اور اس کی پذیرائی میں حکومت کا تعاون شامل ہوتا، تو یہ مصر میں معاشرہ کی تشکیل نیز اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے کافی ہوتی، لیکن جمال عبدالناصر کے دور میں اس تحریک کو کچلنے اور مٹانے کی انتھک کوشش کی گئی، اس کے کارکنان کو قید بامشقت کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں اور پھانسی کے پھندوں پر لٹکایا گیا، جمال کمیونسٹ ذہن کا آدمی تھا اور ترکی کے کمال سے کچھ کم نہ تھا، اس کے بعد جانشیں انورالسادات بھی اسی کا ہم خیال وہم مزاج بلکہ جمال عبدالناصر کے ہر منصوبہ کا مشیر تھا، اور اس نے اپنے آقا امریکہ کو خوش کرنے کے لیے اخوان کے مقابلہ کے لیے عیسائیوں کی ہمت افزائی کی، اس کی ذات سے بھی تحریک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔

شام، عراق، ایران ودیگر آزاد ہونے والے مسلم ممالک کا المیہ:

شام وعراق فرانسیسی اور برطانوی اقتدار سے آزاد ہونے کے بعد سے مسلم عرب آبادی کی اکثریت والے ملک ہیں، یہ دونوں سرسبز وزرخیز عرب ملک جو اپنی شاندار اسلامی وتہذیبی تاریخ رکھتے ہیں، اور جو علی الترتیب طویل مدت تک خلافت اسلامی کا مرکز رہ چکے ہیں، مختلف سیاسی ادوار اور جلد جلد ہونے والے خون آشام فوجی انقلابات سے گزرے، یہ دونوں مسلم عرب ملک مغرب کے گہرے ذہنی واخلاقی ومعاشرتی اثرات کی جولانگاہ ہیں، جدید تعلیم یافتہ، سیاسی رہنماؤں اور اہل حکومت کا رجحان برابر عرب نیشنل زم، سیکولرزم، تجدید ومغربیت کی طرف ہوتا جارہا ہے، حالانکہ خاصی بڑی تعداد ایسے جید علماء اور ممتاز فضلاء کی موجود ہے، جن کی نظیر دوسرے ملکوں میں ملنی مشکل ہے لیکن روز بروز عام معاشرے سے دین کی گرفت ڈھیلی ہوتی جارہی ہیں، اور علماء اور اہل دین کا اقتدار روبہ زوال ہے اور مصر کی پوری چھاپ ان پر پڑرہی ہے، عراق پر آج کل جس طرح امریکہ کی بالادستی قائم ہے اور وہ پوری طرح اس پر مسلط ہے، سب کے سامنے ہے، یہی صورت حال ایران کی بھی ہے جو شیعوں کا مرکز ومسکن ہے۔

انڈونیشیا جس کی تقریباً ۹۰ رفیصد آبادی مسلمان ہے، اس سلسلہ میں کوئی استثناء نہیں رکھتا، آزاد ہونے والے عرب ممالک میں سب سے پہلے تونس کا نام آتا ہے جس نے ۱۹۵۷ء میں آزادی اور حکومت خوداختیاری حاصل کی، لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی تدریجی طور پر سابقہ ترکی کے راستہ پر گامزن ہے اور اس کی تشکیل فرانسیسی تربیت وثقافت کے مطابق ہورہی ہے۔

الجزائر:

ان آزاد ہونے والے ملکوں میں الجزائر کی آزادی خاص طور پر اہمیت رکھتی ہے، مؤلف تحریر فرماتے ہیں:

''۳ رجولائی ۱۹۶۲ء کو لاکھوں مجاہدین کی بے مثال قربانی کے نتیجہ میں فرانسیسی اقتدار ختم ہوا، اور الجزائر فوجی محاذ آرائی کے لیڈروں کے حوالہ کردیا گیا، الجزائر کی جنگ آزادی، جذبۂ جہاد، شوق شہادت اور غیرت اسلامی کی بنیاد پر لڑی گئی تھی، جس میں قربانی اور جانثاری کے ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے جن کی مثال گزشتہ چند صدیوں میں نہیں ملتی''۔

یاد رہے کہ الجزائر کی آزادی میں پندرہ لاکھ افراد شہید ہوئے تھے لیکن آزادی ملنے کے بعد سیاسی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جن کی تربیت دینی درسگاہوں، اور روحانی تربیت کے مراکز کے بجائے فرانسیسی فوج کی تربیت گاہوں میں ہوئی تھی، اس لیے جو حشر اس کا ہونا چاہیے وہ ہوکر رہا۔

غرضیکہ ۱۹۲۴ء کے ترکی سے لے کر ۱۹۶۲ء کے الجزائر تک یہ ایک مسلسل داستان عبرت ہے، جس میں کوئی استثناء نظر نہیں آتا اور جمال سے لے کر کمال تک اسلامی ممالک کے تمام رہنما مادیت کے عشق میں یکساں طور پر سرشار نظر آتے ہیں اور اس وقت بھی ان ممالک میں الا ماشاء اللہ جتنی تہذیبیں یا قیادتیں ہیں، یا مغربی تہذیب کی لکیر کی فقیر، اور اس کی ایک روکھی پھیکی تصویر ہیں یا اتنی کمزور اور شکست خوردہ ہیں کہ

اس سے آنکھیں نہیں ملاسکتیں، اور مقابلہ نہیں کرسکتیں، آج کل ہر ملک پر امریکہ ہی آقا بن کر حاوی ہے، اللہ تعالی جلد اس کو بھی روس کی طرح ٹکڑے کرے۔

اس طرح مصنف نے اس سلسلہ میں ایک ایک ملک کے رویہ اور اس میں معرکہ کی منزلوں کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ اب کہاں تک پہنچ چکی ہے۔

تیسرا موقف معتدل ومتوازن رویہ:

مغربی تہذیب کے بارے میں مستقل ومجتہدانہ کردار، مغرب سے استفادہ کے صحیح میدانوں کا انتخاب اوران کے حدود کا تعین، یہی صحیح اور متوازن موقف ہے، جسے عالم اسلام کو اختیار کرنا چاہئے، اس میں اعتدال ہے اور افراط وتفریط سے اجتناب بھی، اسی موقف کا داعی ندوۃ العلماء بھی ہے، اس سے پہلے کے دونوں رویئے دو الگ انتہاء پر پہنچے ہوئے تھے، جس میں پائیداری نہیں تھی۔

شاخ نازک پہ جو آشیاں بنے گا وہ ناپائیدار ہوگا

مؤلف یہ داستان عبرت سناتے اور تلخ حقیقت بیان کرتے ہوئے مسلم ممالک کا کردار اور تاریخ جدید کا سب سے بڑا کارنامہ'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''عصر جدید میں جب کہ مغربی تہذیب اپنے ارتقاء کے آخری نقطہ پر پہنچ گئی ہے اور مسلم ممالک اپنے مخصوص حالات اور تاریخ کی بنا پر اس میں مساویانہ حصہ نہیں لے سکتے، اس حالت میں تقلید وپیروی اور انکار وسلبیت کے درمیان ایک محفوظ، بلند وباعزت راہ ہے، یہ نہ صرف ان ممالک کے منصب ومقام کے شایان شان ہے بلکہ یہ تاریخ جدید کا سب سے بڑا انقلاب انگیز اقدام اور وقت کا سب سے اہم اور مقدس کام ہے''۔

حرف آخر:

اس وقت عالم اسلام کو ایک ایسے مصلح، دور اندیش، تجربہ کار قائد ورہنما کی ضرورت ہے، جو براہیمی صفت کا حامل، وصف عمری سے متصف اور ایوبی کردار رکھنے والا ہو اور اپنے عزم وحوصلہ دور اندیشی اور ٹھوس ومستحکم اقدام سے مغربیت کے دھارے کو اسلامیت کی طرف پھیر دے جس سے طغیانی کا سمندر اور معاصی کا تلاطم سینوں میں تھم جائے، نقش باطل مٹ جائے اور ضمیر بھی مطمئن ہوجائے اور وہ غیروں کے طریقوں کو چھوڑ دینے کا داعی ہو اور دوسروں کے تمدنہائے زندگی سے مرعوبیت اور احساس کہتری کے نشیمن کو پھونک کر خاکستر کردے، باطل ازموں اور طاغوتی طاقتوں سے نبرد آزما ہوکران کا قلع قمع کردے، دنیوی طمطراق اور زندگی کے جاہ وجلال کا جو نقش ذہنوں پر مرتسم ہے اس کو کھرچ کر مٹادے، بلکہ دھوکر پاک وصاف کردے اور لامذہبیت ومغربیت کے شکنجے میں جکڑی ہوئی انسانیت کو چھٹکارا وآزادی دلائے۔

معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

قلم کار حضرات متوجہ ہوں!

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لیے اپنے دینی، اصلاحی، ادبی، دعوتی، تاریخی اور تحقیقی مضامین ارسال فرما کر اس دعوتی مشن کو آگے بڑھانے میں ہمارا تعاون کریں۔

☆ مضامین خوشخط، صاف اور کاغذ کے صرف ایک طرف ہی تحریر فرمائیں۔

☆ مضامین ارسال کرتے وقت رسالہ کے معیار اور علمی ذوق کا خاص لحاظ رکھیں۔

☆ شائع شدہ مضامین شامل اشاعت نہیں ہوں گے۔

☆ ناقابل اشاعت ہونے کی صورت میں مضامین واپس نہیں کیے جائیں گے۔

نیز نقوش اسلام کے اندر شامل مضامین میں قلمکار حضرات جو رائے پیش کرتے ہیں، وہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے، اس سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

جائزہ

قومی جذبہ اور مسلمان

مولانا محمد شمشیر، رام پور منیہاران، سہارنپور

کس قوم کی تعداد کتنی ہے، ہمیشہ لوگ اس پر گفتگو کرتے رہتے ہیں اور تعداد کو جمع کر کے خوش ہو جاتے ہیں کہ ہندوستان میں فلاں قوم کی تعداد اتنی ہے، مسلمانوں کی تعداد اتنی ہے، یہ خوشی کی بات ضرور ہے کہ چند لوگ ملک بھر کے پارلیمنٹ حلقوں کا جائزہ لے کر کہتے ہیں کہ ستر پارلیمنٹ حلقے ایسے ہیں جہاں سے مسلمان منتخب ہو سکتے ہیں، اس پر اکثر مضامین بھی شائع ہوتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ترغیب بھی دی جاتی ہے، یہ سب باتیں ممکن حد تک صحیح ہیں، کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمان اقلیت میں نہیں بلکہ اکثریت میں ہیں؛ کیونکہ مسلمان وزیر اعظم تو نہیں مگر وزیر اعظم کو منتخب کرنے کی پوزیشن رکھتے ہیں، اس کے باوجود آخر کیا بات ہے کہ مسلمانوں میں لیڈر شپ اور قیادت نہیں، غور کریں تو معلوم ہوگا کہ قومی جذبہ نہیں ہے جس کا ہونا ضروری ہے، قومی جذبہ کے بغیر کسی بھی قوم کو عزت اور مقام حاصل نہیں ہو سکتا، اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ قومی جذبہ کسے کہتے ہیں، ہندوستانی مسلمانوں میں ایک بڑا المیہ قومی جذبہ کو سمجھنے میں نا آشنا نظر آتا ہے، اس کی بہت مختصر مثال ہندوستان کو آزاد ہوئے تقریباً ساٹھ برس کا طویل عرصہ گزر چکا ہے، لیکن مسلمان آج بھی ترقی سے محروم اور تنزلی کا شکار ہیں، بس یہی قومی جذبہ کی پہچان ہے، قومی جذبہ کہتے ہیں اس کو کہ قوم کے ہر فرد میں یہ احساس ضروری ہے کہ میں فلاں قوم سے تعلق رکھتا ہوں اور قوم کی تعمیر میں میرا حصہ ضروری ہے، لہٰذا اپنی قوم پر فخر بھی ضروری ہے، قوم ہے اور فلاں حلقے سے مسلمان منتخب ہو سکتے ہیں، جب کہ نتیجہ اس قیاس کے برعکس ہوتا ہے، سابقہ لوک سبھا انتخابات کا جائزہ لیں تو یہ معلوم ہوگا کہ ایسے ۸۰؍ پارلیمنٹ حلقوں میں بھارتیہ جنتا پارٹی یعنی بی جے پی کامیاب ہوئی تھی جہاں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۳۰؍ فی صد سے بھی زیادہ تھی، آپ ہرگز نہ سمجھے کہ مسلمانوں نے بی، جے، پی کو ووٹ دیا، بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی پالیسی کے سبب بی جے پی کو ان حلقوں میں کامیابی حاصل ہوئی تھی، تعداد کی اہمیت کے باوجود قومی جذبہ کی اہمیت زیادہ ہے، ہمارا مذہب، ہماری زبان، ہمارا کلچر، ہماری تاریخ، ہماری کتاب، ہمارے لیڈر، ہمارے قائد، ہمارے رہنما میں اس قسم کے جذبات ضرور ہیں، اسے تنگ نظری اور تعصب نہیں کہتے بلکہ قوموں کی زندگی کے لیے اس قسم کے جذبات کا ہونا ضروری ہے، ہم لوگ ادارہ بنائیں، یونیورسٹی بنائیں، جماعت بنائیں، پارٹی قائم کریں، مگر قومی جذبہ نہ ہو تو یہ ادارہ، یہ پارٹیاں اور یہ جماعتیں قوم کے لیے فائدہ مند شئے ثابت نہ ہوگا، ایک ادارہ نے انجینئرنگ کالج کا منصوبہ بنایا حکومت سے اجازت ملی، نام اس کا اسلامیہ رکھ کر کروڑوں روپیہ کی عمارت کھڑی کر دی، مگر انجینئرنگ کالج میں ۴۰؍ فیصد طلبا کو داخل کیا گیا، یہ بات اس کو ظاہر کرتی ہے کہ کالج کے بانیین میں قومی جذبہ نہیں تھا، راقم نے ایک مسلم نمائندہ سے بات کی کہ آپ کو پارلیمنٹ میں رہتے ہوئے تقریباً ۳؍ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، آپ نے مسلمانوں کی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے کیا اقدام کیے؟ اس پر ایم پی موصوف کا جواب تھا کہ سرکار سے کئی مرتبہ مطالبہ کر چکا ہوں کہ مسلمانوں کی پسماندگی کو اور ناخواندگی کو دور کی جائے، مگر حکومت اس کو مسترد کر دیتی ہے، راقم نے پھر سوال کیا کہ

جب کسان لیڈر چودھری مہندر سنگھ کو گرفتار کر کے ایک معاملہ میں پولس نے جیل میں ڈال دیا تھا تو چودھری صاحب کے حامیوں نے کہا کہ چودھری صاحب ضمانت نہیں کرائیں گے، پھر پولس نے ان کو بلا شرط آزاد کر دیا، آپ تو پھر بھی لوگ سبھا کے ایم پی ہیں، آپ کی بات کیوں نہیں مانی جاتی، اس سوال پر ایم پی موصوف بغلیں جھانکنے پر مجبور ہو گئے تو معلوم ہوا کہ مطالبہ کرنے والے شخص کے اندر قومی جذبہ نہیں تھا، اس لیے مطالبہ کو مسترد کر دیا گیا، ورنہ چودھری سنگھ کے حامیوں نے قومی جذبہ دیکھایا اور اپنے لیڈر کو بلا شرط، بلا ضمانت رہا کرایا، یہ ہے قومی جذبہ کی اصل علامت، ہماری مادری زبان اردو ہے مگر آپ کو اردو نہیں آتی مگر اردو اخبار ورسائل خریدنا یا ان سے محبت کرنا یہ قومی جذبہ کی علامت ہے، قومی جذبہ کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، ۱۹۸۴ء کے سکھ فسادات میں مارے گئے افراد کو ہندوستانی حکومت نے معاوضہ نامہ کی برسات کردی، علاوہ ازیں جب کہ مسلمانوں پر نہ جانے کتنے ظلم ڈھائے گئے ہیں، مگر آج تک کسی کو بھی معاوضہ نہیں ملا، ہاں ایک چیز ضرور ملی ہے جس کا میں اعتراف کرتا ہوں، کیا ہندوستان کا ہر امن پسند شہری بھی اس بات کا اعتراف کرے گا وہ یہ ہے کہ جب کہیں بم دھما کہ ہوتا ہے، یا کسی مسجد میں یا کہیں اور جگہ میں تو مسلمانوں پر اس کو تھوپ دیا جاتا ہے، دہشت گرد جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے، مالیگاؤں، مہاراشٹر کی قبرستان میں اور جامع مسجد کے باہر بم دھما کہ ہوا تو وہاں مسلمانوں کے سر تھوپ دیا گیا، حیدرآباد کی مکہ مسجد میں بم دھما کہ ہوا تو وہاں دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں کے اوپر ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑے گئے اور مسلمانوں کے سر تھوپ دیا گیا، اسی طرح اجمیر میں بم دھما کہ ہوا اس میں مسلمانوں کے ملوث ہونے کے ثبوت کے لیے اسکریچ جاری کئے گئے۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مسجدوں پر حملہ کرنے والے بھی مسلمان، مندروں پر حملہ کرنے والے بھی مسلمان اور پارلیمنٹ پر حملہ کرنے والے یا صرف ہندوستانی پولس کو محکمہ انکوائری کو مسلمان ہی نظر آتے ہیں، جب کہ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے جتنا خون اس ملک کی آزادی کی خاطر بہایا ہے اتنا کسی نے خون نہیں بہایا، جب کہ مسلمان اس وطن عزیز کو اتنا چاہتا ہے کہ جتنا دوسرے لوگ جھوٹے دعوی کرتے ہیں، خیر بات یہ چل رہی تھی کہ آئے دن مسلمانوں کی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے نئے نئے کمیشنوں کا قیام ہوتا ہے وہ کمیشن جو حکومت قائم کرتی ہے، برائے نام ہی سہی، لیکن حکومت کی تھوڑی سی دہری پالیسی کو ظاہر کرتے ہیں، آج تک ایسا کوئی بھی کمیشن نہیں گزرا جس نے یہ بیان نہ کیا ہو کہ مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے، لیکن وہ مثال صادق آرہی ہے بہت پہلے سے کہ گدھے کہ سامنے بانسوری بجانے سے کیا فائدہ، اس کو کیا معلوم کہ کیا چاہا جارہا ہے، یہی حال ہماری حکومتوں کا ہے، کہ جب انتخابات نزدیک آتے چلے جاتے ہیں تو ان سیاسی پارٹیوں کو مسلمانوں کی پسماندگی ناخواندگی کی یاد تازہ ہوتی چلی جاتی ہے اور خوب سبز باغ دیکھائے جائیں گے، مسلمانوں کو لیکن افسوس یہ وعدوں کی جھڑی صرف انتخابات تک ہی محدود رہتی ہے، ووٹ کی قیمت کو ہماری قوم نہیں پہچانتی اور اگر ووٹ کا صحیح جگہ استعمال ہو جائے تو ان خوبصورت القاب سے حتی الامکان بچا جا سکتا ہے، قومی جذبہ جس کو شروع سے اب تک ذکر گیا ہے وہ یہی ہے کہ اپنی قوم کی کھوئی شناخت کو پانے کی کوشش کی جائے۔

//////☆☆☆☆//////

گزارش

ماہنامہ نقوش اسلام ایک دینی، دعوتی، تاریخی، معلوماتی، ادبی اور اصلاحی رسالہ ہے، اسے خود بھی پڑھئے اور اپنے زیادہ سے زیادہ احباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے، اس کی سال بھر کی ممبری فیس صرف ۱۰۰/روپیہ ہے۔ (ادارہ)

اصلاحیات

صلاح قلب فلاح دارین کا باعث

مولانا محمد نسیم ندوی استاذ مرکز احیاء الفکر الاسلامی

ایک حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان فی الجسد مضغة فاذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب" کہ جسم کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ درست ہوجائے تو پورا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہوجاتا ہے تو پورا بدن خراب ہوجاتا ہے، اور سنو وہ دل ہے، جسم انسانی میں دل کو جو مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں، بہرحال اس دل کی انسانی زندگی پر حکمرانی چلتی ہے، یہ وہ چیز ہے جو انسان کو اپنا غلام بنالیتی ہے اور اس کے اشارے پر زندگی حرکت کرتی ہے، یہ دل جو انسان کا مشیر ہوتا ہے، اس کو اچھے اور برے دونوں طرح کے مشورے دیتا ہے، انسانی زندگی میں اس کی جس قدر اہمیت ہے اسی قدر اس کی حفاظت وصیانت کی بھی ضرورت ہوتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا یہ دل بداعمالیوں کی وجہ سے سیاہ ہوجائے اور اس سے اچھے اور بہتر امور کو قبول کرنے کی اہلیت سلب کرلی جائے، اور ہماری تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہوجائے، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا احتساب کرتے رہیں کہ ہمارا دل زندہ ہے کہ نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ مردہ ہوگیا ہے؟ ہمارے دلوں کی فصل پژمردہ تو نہیں ہوگئی ہے؟ ہمیں ہر وقت یہ جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ ہمارا خانۂ دل نور ایمانی سے منور ہے یا نہیں، غرضیکہ اس میں ایمان کی بہار ہمیشہ قائم ودائم رہے، خزاں نہ آنے پائے، مزید یہ کہ ہمارے گوشۂ دل میں خدائی یادوں کے نغمے گونج رہے ہوں اور اللہ کے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین رحمت کو قائم کرنے کی سعی وجہد کی امنگیں انگڑائیاں لے رہی ہوں، ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کا خواب ہماری آنکھوں میں مچل رہا ہو، اور ہمارا دل کامیابی وکامرانی کا ترانہ سنا رہا ہو، ہمارے دلوں میں ایمان کی ایسی حرارت موجود ہو جو رات کی تنہائی میں سربسجود ہونے پر ابھار رہی ہو اور آنکھوں کے نم ہونے کا ذریعہ بن رہی ہو۔

بلاشبہ ایک مومن اور مسلم کی زندگی کی معراج یہ ہے کہ اس کا دل اپنی فطری حالت پر باقی رہے، عقل سلیم سے وہ بہرہ ور ہو، دل کی خصوصیات سے وہ محروم نہ ہوجائے، نرم دلی کی مدح ثرائی ہوتی ہے، اور اس کو انسان کے اچھے خصائل میں شمار کیا جاتا ہے، کسی پتھر دل انسان کی تعریف نہیں ہوتی، ملامت ہی اس کا نصیبہ ہوتی ہے، یہ ماں کے دل کی محبت ہی تو ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے بچوں کے لیے بھوک وپیاس اور راحت وآرام کی چنداں پرواہ نہیں کرتی، بچہ جب کرب وتکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو ماں کی نیند اڑ جاتی ہے وہ روتا ہے تو یہ بیقرار ہوجاتی ہے، وہ چیختا ہے تو اس کے منہ سے نوالے گر جاتے ہیں، وہ آہ کرتا ہے تو یہ تڑپ اٹھتی ہے۔

آخر یہ دل کی نرمی کا نتیجہ ہی تو ہے ورنہ کتنی ایسی سنگ دل اور بے رحم مائیں ہیں جو اپنی اولاد کو کوڑے کی ڈھیر پر پھینک دیتی ہیں، اسقاط حمل کروالیتی ہیں، خشیت املاق سے وہ مار ڈالتی ہیں، یا اس کو دنیا کی معمولی قیمت کے عوض فروخت کردیتی ہے، معصوم اولاد کا گلا گھونٹ دیتی ہے، آئے دن اس کے مشاہدات ہوتے رہتے ہیں، یہ سب کیوں ہوتا ہے، اس لیے کہ دل موم نہیں پتھر ہے؟ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب دل پر قساوت وسنگ دلی کے تہہ بہ تہہ پردے پڑ جاتے ہیں، دل کی کھیتی نور ایمان سے خالی ہوجاتی ہے، اس میں خدا کا خوف اور

آخرت کی باز پرس کا یقین نہیں ہوتا۔

یقیناً اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قساوت قلبی اتنا بڑا مرض ہے کہ خدانخواستہ اگر ہم اس کے شکار ہو گئے تو ہم انسان نما بھیڑیوں کا روپ دھاڑ لیں گے، یہ ایک عجیب بات ہے، بلکہ اللہ تعالی نے سورہ حدید میں ایمان والوں کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے لیے وہ وقت نہ آیا کہ تمہارے دل خدا کی یاد کے آگے جھک جائے اور اس کے سامنے جو خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے، اس کے بعد فرمایا کہ تم ان اہل کتاب کی طرح نہ ہو جانا کہ ان پر مدت دراز ہو گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے، قساوت قلبی کا سب سے بڑا نقصان اور خسارہ یہ ہے کہ اس کے بعد انسان کے لیے پلٹنا بہت مشکل ہوتا ہے، جب انسان کا دل سخت ہو جاتا ہے تو نہ اس پر کسی طرح کی نصیحت اثر کرتی ہے اور نہ کسی طرح کا وعظ، ارشادات ربانی اور فرمان نبوی کی کیجا رہی تشہیر اڑ کر فضا میں تحلیل ہو جاتی ہے، دل کسی وعدہ وعید کی تاثیر قبول کرنے کی لیاقت سے محروم ہو جاتا ہے، اور یہ چیز اس کی تباہی و بربادی کی بگل بجا دیتی ہے، اس کے بعد رجوع اور اس کی اصلاح ایک مشکل کام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ دو مقامات پر اپنے دل کو ٹٹولا کرو، ایک تلاوت قرآن کے وقت اور دوسرے خلوت میں، ان دونوں مواقع پر اگر دل کے اندر نرمی، خشوع وخضوع، خدا کی طرف مائل ہونے سے محرومیت ہے، خدا کی طرف اس میں کوئی جھکاؤ پیدا نہیں ہوتا، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ تمہارا پہلو دل سے خالی ہے، خدا سے دعا کرو کہ نیک دل عطا فرمائے۔

ہمیں خصوصاً تلاوت قرآن کے وقت یہ جائزہ لینا چاہئے کہ ہمارے دلوں پر اسکا کچھ اثر ہو رہا ہے کہ نہیں، کلام اللہ سے ہمارے دلوں میں نرمی اور خشیت کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے یا نہیں، سخت دلی کو اللہ تعالی نے کن کی علامت بتایا ہے، اور فرمایا ہے کہ دل تو ان کے پاس بھی تو ہیں مگر اس سے سوچتے نہیں، غور وفکر اور تدبر نہیں کرتے، ایک مقام پر قساوت قلبی کو پتھر سے بھی زیادہ سخت قرار دیا گیا ہے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا پاک ارشاد ہے ''پھر ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھروں کی طرح سخت بلکہ سختی میں اس سے بھی بڑھے ہوئے ہیں؛ کیونکہ پتھروں میں سے تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں، اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ پھٹتا ہے، تو اس سے پانی نکل پڑتا ہے اور کوئی تو خدا کے خوف سے لرز کر گر بھی پڑتا ہے، خدا کو تمہارے کرتوتوں کی خبر ہے''۔

قساوت قلبی کے اسباب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ لگا دیا جاتا ہے، اگر توبہ کر لیتا ہے تو اس کو مٹا دیا جاتا ہے، ورنہ وہ باقی رہتا ہے، پھر دوسرا گناہ کرتا ہے پھر ایک سیاہ نقطہ دل پر لگا دیا جاتا ہے، آہستہ آہستہ اس طرح پورا قلب سیاہ ہو جاتا ہے'' گویا کہ مہر لگ جاتی ہے، اب کوئی چیز اس کے اندر نہیں جائے گی، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنگدلی سے ہمیشہ پناہ چاہتے تھے اور ایسے دل کی درخواست کرتے تھے جو خاشع اور اللہ کی طرف مائل ہو۔

اگر ہمارے دلوں کی یہی کیفیت ہے کہ وہ پند ونصائح اور فرامین الٰہی کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتا ہے، وعدہ وعید سے خشیت پیدا نہیں ہوتی تو قطعاً مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نسخہ تجویز کر رکھا ہے، اس کو مضبوطی سے پکڑ لینا ہوگا، دل کی دنیا ایک بار پھر منور ہو سکتی ہے، ویران دلوں میں پھر فصل بہار آ سکتی ہے، بے نور اور تاریک دل میں ایک بار پھر ایمان کی شمع روشن ہو سکتی ہے، خانہ دل پھر جگمگا اٹھے گا۔

//////☆☆☆//////

موت کا منظر اور برزخ کا نقشہ

"کل نفس ذائقة الموت ثم الینا ترجعون" (پ۲۱/سورہ عنکبوت) جو جی ہے سو چکھے گا موت، پھر ہماری طرف آؤ گے، موت یا انتقال سے مراد یہ ہے کہ روح جسم سے علیحدہ ہوگی، انسان کے وجود میں سب سے اہم چیز روح ہے؛ لیکن اس کی ماہیت کے ادراک سے عقول انسانی قاصر ہیں، اسے خواہ امر خداوندی سے تعبیر کیجئے یا عطیہ ایزدی کہئے، بہرحال کائنات کی ساری رونق اور ہما ہمی اسی کی مرہون منت ہے اور تمام نباتات وحیوانات کی زندگی وشادابی کا راز اسی کے وجود میں مضمر ہے۔

موت کے بعد روح وجسم کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے؛ لیکن جب قیامت قائم ہوگی تو جسم کے ساتھ روح کا ارتباط ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ثم نفخ فیه اخری فاذا هم قیاماً ینظرون" (سورہ زمر پارہ ۲۹) پھر پھونکا جائے گا دوسری بار تو فوراً کھڑے ہو جائیں گے، ہر طرف دیکھتے ہوئے۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

یعنی انسان کو آخرت میں قدم رکھنے کیلئے دنیا سے جدا ہونا اور عالم برزخ سے گذرنا ہوگا، موت کے بعد سے قیامت قائم ہونے تک ہر شخص پر جو زمانہ گذرتا ہے اسکو برزخ کہتے ہیں، برزخ کے معنی پردہ اور آڑ کے ہیں، چونکہ یہ زمانہ عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان آڑ ہوتا ہے اس لئے اس زمانہ کو برزخ کہتے ہیں، چونکہ عام انسان اپنے مردوں کو دفن کرتے ہیں اس لئے احادیث شریفہ میں برزخ کی راحت یا عذاب کے بارے میں قبر ہی کے لفظ آتے ہیں، عذاب قبر روح ہی کو ہوتا ہے مردہ کا جسم قبر میں ہے یا درندہ کے پیٹ میں ہے، یا دریا میں ہے، یا آگ میں جلا دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان اجزاء وذرات کو جمع کر کے جسم بنا دیتا ہے۔

مومن اور کافر کی موت کا فرق:

مومن کی موت: حدیث میں آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے، تو اس کی طرف آسمان سے فرشتے آتے ہیں، جن کے سفید چہرے سورج کی طرح روشن ہوتے ہیں، ان کے جنتی کفن، جنتی خوشبو ہوتی ہے یہ فرشتے اس قدر ہوتے ہیں کہ جہاں تک اس کی نظر پہنچے وہاں تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت علیہ السلام تشریف لاتے ہیں، اور اس بندے کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے پاکیزہ روح اللہ کی مغفرت اور اس کی رضامندی کی طرف نکل کر چل، چنانچہ اس کی روح اس طرح آسانی سے نکل آتی ہے، جیسے مشکیزہ میں سے پانی کا قطرہ بہتا ہوا باہر آ جاتا ہے، پھر ملک الموت علیہ السلام اس روح کو لے لیتے ہیں، ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے جو دور تک بیٹھے ہوتے ہیں، پل بھر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے حتی کہ اسے لے کر اسی کفن اور خوشبو میں رکھ کر آسمان کی طرف چل دیتے ہیں، اس کی خوشبو کے متعلق ارشاد فرمایا کہ زمین پر جو بھی عمدہ خوشبو مشک کی پائی گئی ہے اس جیسی وہ خوشبو ہوتی ہے پھر فرمایا کہ اس روح کو لے کر فرشتے آسمان کی طرف چڑھنے لگتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے، وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لیکر جواب دیتے ہیں، جس سے دنیا

میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے، اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروزاہ کھلواتے ہیں، چنانچہ دروزاہ کھولدیا جاتا ہے اور وہ اسے لےکراوپر چلے جاتے ہیں،حتی کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، ہر آسمان کے مقربین دوسرے آسمان تک اسے رخصت کرتے ہیں، جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں تو اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میرے بندے کو کتاب عتیق میں لکھدو اور اسے زمین پر واپس لے جاؤ؛ کیونکہ میں نے انسان کو زمین ہی سے پیدا کیا ہے، اور اسی میں اسے لوٹا دوں گا اور اسی سے ان کو دوبارہ نکالوں گا، چنانچہ اس کی روح اس کے جسم میں لوٹادی جاتی ہے۔

کافر کی موت :

سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے،تو سیاہ چہرے والے فرشتے آسمان سے اس کے پاس آتے ہیں، جن کے ہاتھ میں ٹاٹ ہوتے ہیں اور وہ اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے، پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں، اور اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں، پھر کہتے ہیں اے خبیث روح اللہ کی ناراضگی کی طرف نکل ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کے جسم میں ادھرادھر بھاگی پھرتی ہے،اس کے بعد ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے بوٹیاں بھوننے کی سیخ بھیگے ہوئے اون سے صاف کی کیجاتی ہے، پھر اس کی روح کو ملک الموت اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں، ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کی برابر بھی ان کے پاس نہیں چھوڑتے ان سے لےکر اس کو ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں، ان ٹاٹوں سے ایسی بدبو آتی ہے، جیسی کسی بدترین سڑی ہوئی مردہ نعش سے روئے زمین پر بدبو پھوٹی ہو، پھر وہ فرشتے اسے لےکر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، فرشتوں کی جس جماعت پر بھی پہنچتے ہیں، وہ کہتے ہیں یہ کون خبیث روح ہے، وہ اس کا برے سے برا نام لیکر کہتے ہیں، جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے، یہاں تک کہ وہ اسے لیکر پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر اسکے لئے دروازہ نہیں کھولا جاتا جیسا کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے" لاتفتح لھم ابواب السماء ولایدخلون الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط "(سورۃالاعراف پارہ ۸/ رکوع ۱۸) نہ کھولے جائیں گےان کے لیے دروازے آسمان کے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں، یہاں تک کہ گھس جائے اونٹ سوئی کے ناکے میں۔(ترجمہ شیخ الہند)

یعنی جیسے اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں داخل ہونا محال ہے، ایسے ہی ان کا جنت میں داخل ہونا محال ہے، پھر اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اس کو کتاب سجین میں لکھدو جو سب سے نیچی زمین میں ہے، چنانچہ اس کی روح وہیں سے پھینک دی جاتی ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی" وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ"(سورۃ حج) اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹادی جاتی ہے۔

قبر میں سوال اورمومن وکافرکے جواب میں فرق :

مومن کا جواب علیین میں اندراج کے بعد روح جسم میں واپس کردی جاتی ہے،اس کے بعد دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں جو آکر اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں، تیرا رب کون ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ جب مومن قبر میں داخل کردیا جاتا ہے، تو اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے سورج چھپ رہا ہوں جب اس کی روح لوٹادی جاتی ہے، تو آنکھیں ملتا ہوا اٹھتا ہے اور فرشتوں سے کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھتا ہوں۔(ابن ماجہ)

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ گویا کہ وہ اس وقت اپنے آپ کو دنیا ہی میں تصور کرتا ہے کہ سوال وجواب رہنے دو، مجھے فرض ادا کرنے دو وقت ختم ہوا جارہا ہے، میری نماز جاتی رہے گی، پھر لکھتے ہیں، یہ بات وہی شخص کہے گا جو دنیا میں نماز کا پابند تھا اور اسے ہر وقت

نماز کا خیال لگا رہتا تھا، اس سے بے نمازیوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے اور اپنے حال کا اس سے اندازہ لگائیں اور اس بات کو خوب سوچیں کہ جب اچانک سوال ہوگا تو کیسی پریشانی ہوگی، بہرحال فرشتے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے، میرا رب اللہ تعالی ہے، پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا دین اسلام ہے، پھر پوچھتے ہیں یہ کون صاحب جو تمہارے اندر بھیجے گئے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، پھر اس سے دریافت کرتے ہیں تیرا عمل کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی سو اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی، اس کے بعد ایک منادی آسمان سے آواز دیتا ہے (جو اللہ کا منادی ہوتا ہے) کہ میرے بندے نے سچ کہا اس کے لیے جنت کے بچھونے بچھا دو اور اس کو جنت کے کپڑے پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازے کھولدو، چنانچہ جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے، جس کے ذریعہ جنت کا آرام اور خوشبو آتی رہتی ہے، اور اسکی قبر اتنی کشادہ کردی جاتی ہے، جہاں تک اس کی نظر پہنچے، اس کے بعد نہایت خوبصورت چہرے والا، بہترین لباس والا اور پاکیزہ خوشبو والا ایک شخص اس کے پاس آکر کہتا ہے کہ خوشی کی چیزوں کی بشارت سن لے یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا وہ کہتا ہے تم کون ہو تمہارا چہرہ حقیقت میں چہرہ کہنے کے لائق ہے اور اس لائق ہے کہ اچھی خبر لائے، وہ کہتا ہے کہ میں تیرا عمل صالح ہوں، اس کے بعد وہ خوشی میں کہتا ہے، اے رب! قیامت قائم فرما، اے رب! قیامت قائم فرما تاکہ میں اپنے اہل وعیال میں پہنچ جاؤں۔

کافر کا جواب:

"سِجِّین" میں اندراج کے بعد کافر کی روح جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ ہائے ہائے مجھے پتہ نہیں، پھر اس سے دریافت کرتے ہیں تیرا دین کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہائے ہائے مجھے پتہ نہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں یہ کون شخص ہے جو تمہارے اندر بھیجے گئے وہ کہتا ہائے ہائے مجھے پتہ نہیں ہے، جب یہ سوال جواب ہو چکتے ہیں تو آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے اس نے جھوٹ کہا اس کے نیچے آگ بچھا دو، اس کے لیے دوزخ کا دروزاہ کھولدو، چنانچہ دوزخ کا دروازہ کھولدیا جاتا ہے اور دوزخ کی تپش اور گرم لو آتی رہتی ہے، اور قبر اس پر تنگ کردی جاتی ہے، یہاں کہ اس کی پسلیاں بھینچ کر ادھر کی ادھر چلی جاتی ہیں، پھر اس کے پاس ایک شخص آتا ہے جو بدصورت اور برے کپڑے پہنے ہوئے ہوتا ہے، اس کے جسم سے بری بدبو آتی ہے وہ شخص اس سے کہتا ہے کہ مصیبت کی خبر سن لے یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا، وہ کہتا ہے تو کون ہے واقعی تیری صورت اسی لائق ہے کہ تو بری خبر سنائے، وہ کہتا ہے کہ میں تیرا برا عمل ہوں یہ سن کر وہ اس ڈر سے کہ میں قیامت میں یہاں سے زیادہ عذاب میں گرفتار ہوں گا یوں کہتا ہے اے رب قیامت قائم نہ کر۔ (مشکوۃ شریف)

عالم برزخ میں ہوش وحواس باقی رہنا:

جس پر خداوند عالم کا کرم ہو اس کے ہوش وحواس باقی رہتے ہیں اور اسے اللہ تعالی صحیح جواب دلاتے ہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے" یثبت اللّٰہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا والاخرۃ"(سورہ ابراھیم پارہ ۱۳/ رکوع ۱۶)

مضبوط رکھتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

یعنی حق تعالی توحید اور ایمان کی باتوں سے مومنین کو دنیا اور آخرت میں مضبوط اور ثابت قدم رکھتا ہے، رہی قبر کی منزل جو دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر یا ادھر جس طرف چاہیں شمار کرسکتے ہیں، چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں، غرض یہ ہے کہ مومنین دنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے، دنیا میں کیسی ہی آفات اور حوادثات پیش آئیں، کتنا ہی سخت امتحان ہو، قبر میں منکرین سے سوال وجواب ہو، محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو، ہر موقع پر یہ ہی

کلمۂ توحیدان کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرؓ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب لوگ تم کو قبر میں رکھ کر اور مٹی ڈال کر چلے آئیں گے، پھر تمہارے پاس قبر کے امتحان لینے والے آئیں گے جن کی آواز سخت گرج کی طرح ہوگی اور جن کی آنکھیں نظر اچکنے والی بجلی کی طرح ہوں گی، سووہ تم کو ہلا ڈالیں گے، اور تم سے حاکمانہ گفتگو کریں گے، بتاؤ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اس وقت ہماری عقل ہمارے ساتھ ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا ہاں اسی طرح تمہاری عقلیں تمہارے پاس ہوں گی جیسی آج ہیں، یہ سن کر حضرت عمرؓ نے عرض کیا بس تو میں نمٹ لوں گا۔

قبر کی پکار:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس دن وہ یہ نہ کہتی ہو کہ میں بیگانگی کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں اور کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں۔

عذاب قبر حق ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک یہودی عورت آئی اور اس نے ان کے سامنے عذاب قبر کا تذکرہ کیا اور کہا"اعاذك اللّٰه من عذاب القبر" تجھے اللہ عذاب قبر سے پناہ میں رکھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا"نعم عذاب القبر حق" ہاں قبر کا عذاب حق ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی نماز پڑھی قبر کے عذاب سے ضرور اللہ کی پناہ مانگی۔

برزخ والوں کا اس میت سے پوچھنا کہ فلاں کا کیا حال ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب فرشتے مومن کی روح کو لے کر ان مومنین کی ارواح کے پاس جاتے ہیں، جو پہلے جا چکے ہیں، توان ارواح کو اس کے پہنچنے پر ایسی خوشی ہوتی ہے کہ اس دنیا میں اپنے کسی کے غائب ہونے پر بھی اتنا خوش نہیں ہوتے۔

پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے، فلاں کا کیا حال ہے، پھر وہ خود ہی آپس میں کہتے ہیں کہ اچھا ابھی ٹھہرو پھر پوچھ لینا، چھوڑ دو ذرا آرام کرنے دو، چونکہ دنیا کے غم میں مبتلا تھا پھر وہ بتانے لگتا ہے کہ فلاں اس طرح ہے، فلاں اس طرح ہے اور وہ کسی شخص کے بارے میں کہتا ہے جو اس سے پہلے مرچکا تھا کہ وہ تو مر گیا کیا تمہارے پاس نہیں آیا، یہ سن کر وہ کہتے ہیں کہ جب وہ دنیا سے آ گیا اور ہمارے پاس نہیں آیا تو ضرور اس کو دوزخ میں پہنچا دیا گیا۔(رواہ احمد)

عذاب قبر سے حفاظت کرنے والے اعمال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو دفن کرنے کے بعد لوگ جب واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے، اگر وہ مومن ہوتا ہے تو نماز اس کے سرہانے آجاتی ہے اور روزے اس کے داہنی طرف آجاتے ہیں اور زکوۃ اس کے بائیں طرف آجاتی ہے، اور نفل کام جو کئے تھے مثلاً صدقہ اور نفل نماز، اور لوگوں کے ساتھ جو خیر اور نیکی کی تھی وہ اس کے پیروں کی طرف آجاتی ہے، اگر اس کے سرہانے کی جانب سے عذاب آتا ہے تو نماز کہتی ہے کہ میری طرف سے جگہ نہ ملے گی، پھر اس کی داہنی طرف سے عذاب آتا ہے تو روزے کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے جگہ نہ ملے گی، پھر بائیں طرف سے عذاب آتا ہے تو زکوۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے بھی جگہ نہ ملے گی، پھر پیروں کی طرف سے عذاب آتا ہے تو امور خیر صدقہ اور احسان کے کام جو لوگوں کے ساتھ کئے تھے وہ کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے جگہ نہ ملے گی۔(الترغیب)

عذاب قبر سے بچانیوالی سورتیں:

حضرت خالد بن سعدان تابعی سورۂ تبارک الذی بیدہ الملک اور سورۂ الم سجدہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں سورتیں اپنے

پڑھنے والے کے لیے قبر میں اللہ سے جھگڑیں گی اور دونوں میں سے ہر ایک کہے گی کہ اے اللہ اگر میں تیری کتاب میں سے ہوں تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما اور اگر میں تیری کتاب میں سے نہیں ہوں تو مجھے اپنی کتاب سے مٹا دے یہ بھی فرماتے تھے کہ یہ پرندوں کی طرح اپنے پڑھنے والے پر پر پھیلا دیں گی اور اسے عذاب قبر سے بچالیں گی ۔(مشکوۃ شریف)

اللّٰھم احینی ماکانت الحیوۃ خیراً لی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیراً لی اللّٰھم اعنی علی غمرات الموت وسکرات الموت، اللّٰھم رب جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اعذنی من حرالنار وعذاب القبر"۔

نقوش اسلام کی ڈاک

مکرم المقام قابل صد احترام

حضرت اقدس مولانا مفتی مسعود عزیزی ندوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد آداب تسلیمات عرض یہ ہے کہ بندہ اپنی جگہ پر الحمدللہ خیریت سے ہے امید ہے کہ آنجناب بھی خیریت سے ہوں گے، بندہ کو آپ کے ماہنامہ نقوش اسلام کے بارے میں علم ہوا تھا کہ مظفر آباد میں مفتی صاحب کی زیرنگرانی میں چلنے والے ادارہ مرکز احیاء الفکرالاسلامی سے ایک ماہنامہ "نقوش اسلام" کے نام سے شائع ہورہا ہے، میرے عزیز مولوی شمشیر عالم چرہوی جو ماہنامہ نقوش اسلام کے بہت معتقد اور مستقل قاری ہیں، انہوں نے مجھے اس دینی ،تعلیمی واصلاحی رسالہ کے بارے میں بتلایا تھا کہ مفتی صاحب رسالے کے بارے میں بہت ہی محنت وجفاکشی کا مظاہرہ کرتے ہیں، انہوں نے آپ کا ایڈریس احقر کو دیا تھا خیر تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ میرے نام سے ایک رسالہ جاری فرمادیں انشاء اللہ العظیم آپ کے مرکز میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل کروں گا، میں کچھ دنوں پہلے سعودی عرب میں مقیم تھا تو عزیزم مولوی شمشیر عالم نے وہاں پر بھی آپ کے رسالہ کی ایک کاپی بھیجی تھی؛ لیکن بدنصیبی سے وہ مجھے نہ مل سکا تھا، تو وہاں سے لوٹنے کے بعد میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اس مرتبہ ضرور ماہنامہ کو پڑھنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

محمد انعام الحق قاسمی

موضع بھورہ، قصبہ کیرانہ، ضلع مظفرنگر یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی جناب مفتی مسعود عزیزی ندوی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعدہ عرض یہ ہے کہ بندہ اپنی جگہ پر خیریت ہے، اور امید ہے کہ انجناب بھی خیریت سے ہوں گے، آپ کا ماہنامہ نقوش اسلام پابندی کے ساتھ موصول ہو رہا ہے، اس کے لیے بہت بہت شکریہ، آپ کی خدمت میں ایک مختصر سا مضمون ارسال کررہا ہوں اس میں اگر کوئی غلطی ہو تو براہ کرم معاف کریں اور اگر مناسب سمجھیں تو اصلاح فرمادیں، ایک بار پھر میں آپ کو اور آپ کے رفقاء کرام کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، خصوصاً مولانا حمیداللہ صاحب قاسمی کبیرنگری کو میرا سلام عرض کریں، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائیں اور ماہنامہ نقوش اسلام کو بھی امت مسلمہ کے لیے ایک عظیم تحفہ بنائیں۔آمین

محمد شمشیر چرہوی

قصبہ رام پور منیہاران، سہارنپور

وفیات

✿ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مایہ ناز استاذ مولانا مفتی محمد طارق صاحب ندوی ۱۵/ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ کو انتقال فرماگئے۔

مولانا موصوف اپنی والدہ کے ساتھ سفر حج کو گئے تھے، ارکان حج پورا کرنے کے بعد ہندوستان کا سفر کرنے سے پہلے اللہ کے پیارے ہوگئے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔آمین

✿ ماہنامہ "نقوش اسلام" کے ایک رکن مولانا حمیداللہ قاسمی کبیرنگری کے نانا جان جناب جمادار صاحب انصاری دسانواں کا ۲۳/جنوری ۲۰۰۸ء بروز بدھ بعد نماز فجر انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، ان کی نماز جنازہ گاؤں کے مدرسہ "دارالعلوم رضویہ دسانواں" میں ادا کی گئی۔

موصوف نہایت ہی خلیق، ملنسار، شفیق اور خوش مزاج تھے، اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔آمین

✿ مرکز میں کام کرنے والے معمار جناب محمد شہزاد صاحب کے والد جناب نثار احمد صاحب ۲۵/جنوری ۲۰۰۸ء کو انتقال فرماگئے، موصوف صوم وصلوۃ کے پابند تھے اور نہایت خلیق وملنسار انسان تھے، کافی دنوں سے علیل تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، نقوش اسلام کے قارئین سے مغفرت اور درجات کی بلندی کے لیے دعاء کی درخواست ہے۔